تاریخ شیعہ کا خونچکاں ورق

شیعوں پر کیا گزری؟

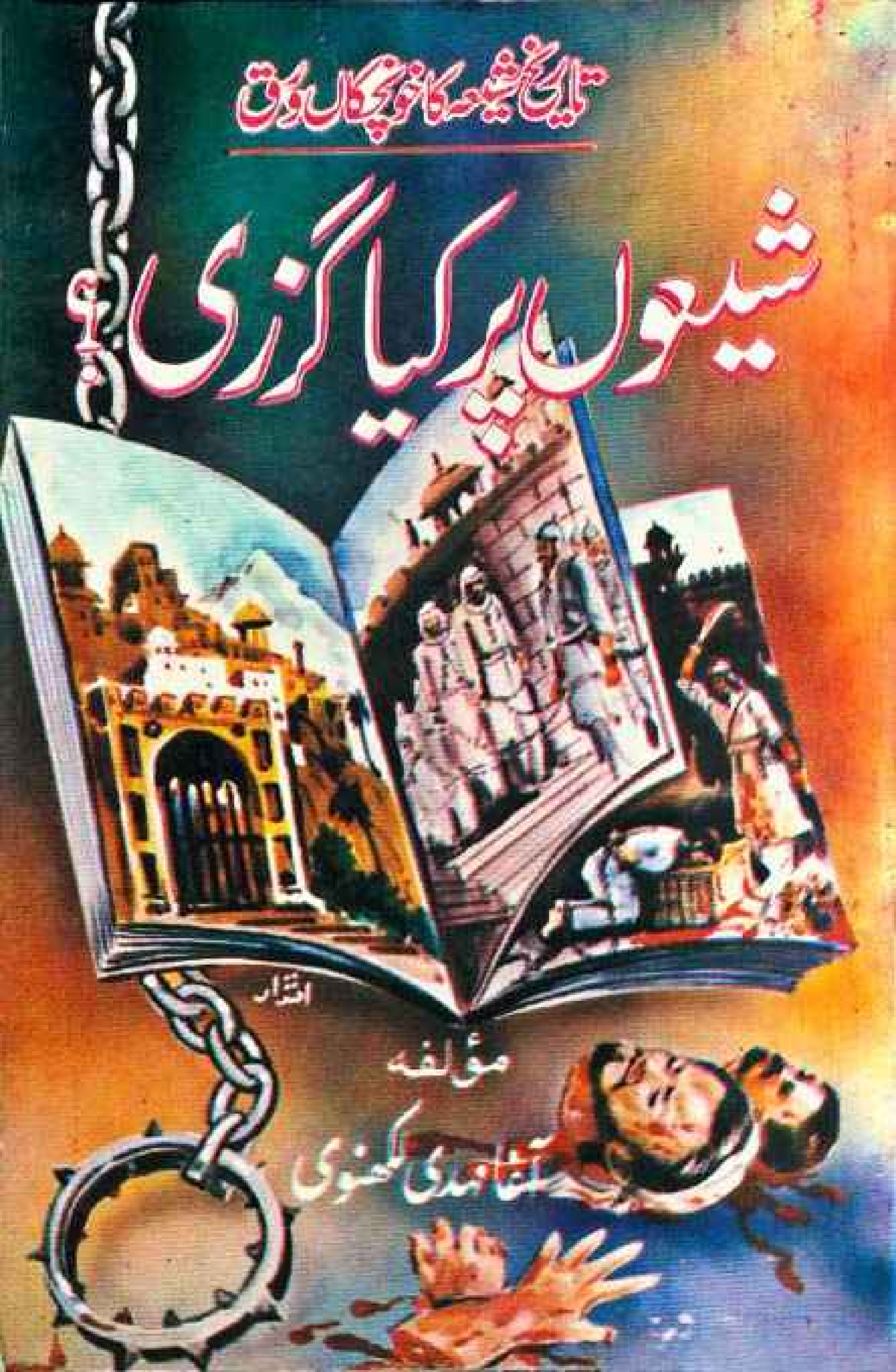

مؤلفہ

آغا مہدی لکھنوی

تاریخِ شیعہ کا خونچکاں ورق

شیعوں پر کیا گزری؟

مؤلفہ

زبدۃ العلما سیّد آغا مہدی لکھنوی

ترتیب و پیشکش

اکبر ابنِ حسن

شائع کردہ

رحمت اللہ بک ایجنسی ناشران و تاجرانِ کتب

بمبئی بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر۔ کراچی ۲

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	تاریخ شیعہ کا خونچکاں ورق
المعروف بہ	شیعوں پر کیا گزری
مؤلفہ	سید آغا مہدی لکھنوی
ترتیب و پیشکش	اکبر ابن حسن
کتابت	اختر علی اختر
قیمت	[redacted] روپیہ صرف

شائع کردہ

رحمت اللہ بک ایجنسی

ناشران و تاجران کتب

بمبئی بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۲

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

عرضِ ناشر

"تاریخ شیعہ کا خونچکاں ورق" المعروف بہ "شیعوں پر کیا گزری" کا جدید ایڈیشن آپ کے پیشِ نظر ہے۔ کتاب موصوف اس سے قبل ۱۹۵۶ء میں لکھنؤ سے طبع ہوئی تھی اور آجکل بالکل نایاب تھی۔ لہذا بہت جستجو کے بعد ہماری قسمت نے یاوری کی اور اس کتاب کو بارِ دیگر طبع کرانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ہم اُن تمام احباب کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس کارِ خیر میں ہم سے تعاون کیا۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن دو حصوں میں شائع ہوا تھا جس میں واقعات مسلسل نہیں تھے اور نقلِ حوادث کے بیچ بیچ میں تقدیم و تاخیر کی بے ربطی پیدا ہو گئی تھی۔ جس کے باعث قارئین کو کافی ذہنی تکلیف برداشت کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ ہم نے مومنین کی سہولت کے پیشِ نظر موجودہ ایڈیشن کو ایک ہی جلد میں مسلسل ترتیب وار پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

زبدۃ العلماء سید آغا مہدی لکھنوی (جو خاندانِ اجتہاد کے ایک مشہور و معروف اور قابلِ ستائش فرد ہیں) نے پہلی صدی سے لے کر چودہویں صدی ہجری تک کے ان تمام مظالم کو مختصراً مگر مکمل تحریر فرمایا ہے۔ جو آئمہ کرامؑ اور شیعانِ حیدرِ کرارؑ پر دشمنانِ اہلبیتؑ کی جانب سے ہوئے ہیں۔ مصنف موصوف نے اس کتاب میں اہم سے اہم تاریخی واقعات کو بھی چند سطروں میں تحریر کر کے دریا کو کوزے میں بند کیا ہے۔

اس نورانی صحیفہ کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو گا کہ ظالموں نے کس بیدردی سے بے گناہ شیعوں کا خون بہایا ہے اور کس طرح شیعانِ اہلبیتؑ پر عرصہ حیات تنگ کیا ہے اور کس طرح تقیہ نے شیعوں کی جانیں بچائیں۔ نیز اس کتاب میں شیعیت کا تعارف اور عزاداری کی مختصر تاریخ کا بھی تذکرہ موجود ہے۔

والسلام

اکبر ابن حسن

منیجر

رحمت اللہ بک ایجنسی۔ کراچی ۲

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	شیعی جرائد اور اخبارات کی آزادرائیں	۱۰
۲	عرضِ حال	۱۶
۳	حرفِ آغاز	۱۷
۴	کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ	۱۹
۵	شیعہ کا پہلا نام مسلم تھا	۲۳
۶	مرتد کی تعریف	۲۴
۷	ناصبی	۲۴
۸	خوارج	۲۵
۹	نتیجہ کلام	۲۵
۱۰	لفظ شیعہ کے معانی	۲۷
۱۱	فضائل شیعہ میں وحی آموز زبان کی گہرافشانی	۲۹
۱۲	دشمن کی حرکت مذبوحی	۳۵
۱۳	جذبۂ انتقام میں ایک غلط اقدام	۳۶
۱۴	نجات یافتہ فرقہ کون ہے؟	۳۷
۱۵	مصیبتوں کا راز	۳۷
۱۶	ملتِ جعفریہ کا پُرخطر دور	۴۰
۱۷	مناظرہ کا آغاز	۴۲
۱۸	قربانیوں کا راز	۴۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۹	مصیبتوں کے پہاڑ اور مظلوم کی طرف سے ردِ عمل جان بچانے کی ہر ممکن تدابیر	۴۶
۲۰	غیر جانبدار	۴۷
۲۱	تقیہ	۴۷
۲۲	صوفی	۴۹
۲۳	بقاءِ مذہب پردۂ خفا میں	۵۰
۲۴	سیرتِ علیؑ	۵۱
۲۵	فرقۂ شیعہ کا خوفِ دشمن سے چھپ کر زندگی بسر کرنا	۵۳
۲۶	مجنون بن کر زندگی بسر کرنا	۵۵
۲۷	ابوہذیل علاف کا ایک مجنون سے مکالمہ	۵۸
۲۸	حفاظت کا غیبی سامان ملّتِ جعفریہ کا پُر خطر دور	۶۲
۲۹	پہلی صدی ہجری سنہ ۶۲۲ء تا سنہ ۷۱۷ء	۶۴
۳۰	تعزیہ	۶۵
۳۱	شبیہہ تابوت	۶۷
۳۲	فن تاریخ کی تاسیس	۶۸
۳۳	زیارت	۷۱
۳۴	مجلس	۷۲
۳۵	نوحہ خوانی	۷۲
۳۶	خونِ حسینؑ کا انتقام	۷۳
۳۷	دوسری صدی سنہ ۷۱۹ء تا سنہ ۸۱۵ء	۷۶

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۳۸	تیسری صدی ۸۱۶ء تا ۹۱۲ء	۸۳
۳۹	زنانی مجلس اور تبرک	۸۴
۴۰	ایک مفید بحث	۸۷
۴۱	چوتھی صدی ۹۱۳ء تا ۱۰۰۹ء	۸۸
۴۲	پانچویں صدی ۱۰۱۰ء تا ۱۱۰۶ء	۹۰
۴۳	چھٹی صدی ۱۱۰۷ء تا ۱۲۰۳ء	۹۲
۴۴	ساتویں صدی ۱۲۰۴ء تا ۱۳۰۰ء	۹۴
۴۵	آٹھویں صدی ۱۳۰۱ء تا ۱۳۹۷ء	۹۶
۴۶	نویں صدی ۱۳۹۸ء تا ۱۴۹۴ء	۹۸
۴۷	دسویں صدی ۱۴۹۵ء تا ۱۵۹۱ء	۹۹
۴۸	گیارہویں صدی ۱۵۹۲ء تا ۱۶۸۸ء	۱۱۰
۴۹	بارہویں صدی ۱۶۸۹ء تا ۱۷۸۵ء	۱۱۴
۵۰	فروگذاشت	۱۱۸
۵۱	تیرہویں صدی ۱۷۸۶ء تا ۱۸۸۲ء	۱۲۰
۵۲	شجرہ علامہ سید دلدار علی غفرانمآب رح	۱۳۰
۵۳	رصد خانہ	۱۳۲
۵۴	غدر	۱۳۹
۵۵	معذرت	۱۴۱
۵۶	علمائے کرام کا طرزِ نگارش	۱۴۲

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۵۷	دو عظیم الشان کتب خانے	۱۴۲
۵۸	چودہویں صدی ۱۸۸۳ء تا ۱۹۴۹ء	۱۴۴
۵۹	فتنہ مستبدہ و مشروطہ	۱۴۹
۶۰	شیعہ اور کانگریس	۱۵۱
۶۱	تیراہ	۱۵۵
۶۲	نیا شگوفہ	۱۶۱
۶۳	دورِ ظلم کا قید خانہ کیسا تھا ؟	۱۶۴
۶۴	سزائیں کہاں دی جاتی تھیں ؟	۱۶۷
۶۵	شیعیت پر متقدمین کی تصانیف	۱۶۸
۶۶	استدعا	۱۶۹
۶۷	نقشہ مردم شماری شیعہ	۱۶۹
۶۸	کل دنیا کی شیعہ آبادی	۱۷۰
۶۹	خاتمہ کلام	۱۷۰

"تاریخ شیعہ کے خونچکاں ورق" پر شیعی جرائد اور اخبارات کی آزاد رائیں

شیعہ لاہور جلد ۳۴ نمبر ۱ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۶ء/ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ کی

تاریخ شیعہ کا خونچکاں ورق ہمارے سامنے موجود ہے۔ علامہ مولانا سید آغا مہدی صاحب جو خاندانِ اجتہاد کی ایک مشہور و معروف اور قابلِ ستائش فرد ہیں کی محققانہ کاوشوں کا نچوڑ ہے۔ اس کتاب کے نام سے ہی مقاصد و مطالب کتاب کا پتہ لگ جاتا ہے۔ درحقیقت یہ کتاب پچاس ساٹھ کتب کے صحیح حوالوں سے تصنیف کی گئی ہے۔ اور یہ دکھایا گیا ہے کہ عہدِ رسولؐ سے لے کر چودہویں صدی تک شیعوں پر کیا کیا مصائب ڈھائے گئے۔

نور کراچی جلد ۱۶ نمبر ۹ ستمبر ۱۹۵۶ء ماہ صفر ۱۳۷۶ھ

اِس وقت ہمارے پیشِ نظر زبدۃ العلماء الاعلام مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ لکھنوی دامت برکاتہ مدیر الواعظ کی کتاب "تاریخ شیعہ کا خونچکاں ورق" ہے۔ اِس نورانی صحیفہ میں جناب علامہ نے پہلی صدی سے لے کر چودہویں صدی تک کے ان تمام مظالم کو تحریر فرمایا ہے جو ائمہ کرامؑ اور شیعیانِ امیر المومنینؑ پر دشمنانِ اہلبیتؑ کے ہاتھوں ہوئے ہیں۔ اِس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ظالموں نے کس بیدردی سے بیگناہ شیعوں کا خون بہایا ہے اور کس طرح ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا ہے۔ نیز یہ کہ تقیہ نے کس طرح شیعوں کی جان بچائی۔ اس میں عزاداری کی بھی مختصر تاریخ ہے اور مشاہد مقدسہ کی تعمیر کا بھی تذکرہ ہے۔

اخبار وثیقہ دار لکھنؤ جلد ۵ نمبر ۱۶

مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۵۶ء مطابق ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ

"تاریخ شیعہ کا خونچکاں ورق" مؤلفہ فقیہ الزمن عالیجناب مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ لکھنوی۔ جناب ممدوح کا نام نامی محتاجِ تعارف نہیں ہے آپ نے چند برسوں کے اندر بہت کچھ نصرت دین کی ہے۔ اور یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ اردو لکھنے والوں میں آپ نے اچھی خاصی جگہ پیدا کر لی ہے۔ اور خصوصیت سے موجودہ دور میں واقعات کربلا پر قلم فرسائی کرنے میں آپ کو ایک ممتاز اور بلند درجہ حاصل ہے۔ اب سے قبل مولانا علی نقی صاحب کی آنا دنکری کی بدولت امامیہ مشن لکھنؤ کی طرف سے تاریخ شیعہ کا مختصر خاکہ پیش کر کے جس طرح قومی تاریخ کا مذاق اڑایا جا چکا ہے وہ اہلِ ایمان سے پوشیدہ نہیں ہے۔ زیر نظر کتاب اسی کا دندان شکن جواب ہے مؤلف نے مذہب سے تعصب کا پردہ چاک کر کے عہدِ رسولؐ میں شیعیت کے امتیاز کو اور بعد رسولؐ اُمویوں اور عباسیوں کی طرف سے تشیع پر ضرب کو نیز منافقین کے دام تزویر بچھانے اور ان کے عروج و زوال کو اس طرح پیش فرمایا ہے گویا دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ ضخامت سو صفحوں سے زیادہ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ خوشنما رنگین ٹائٹل آرٹ پیپر پر تصاویر، کاغذ سفید چکنا۔ بہترین کتابت و طباعت۔

ابوالفتح علی مرزا رجعت لکھنوی

الجواد بنارس محرم نمبر ۱۳۷۶ھ

"تاریخ شیعہ کا خونچکاں ورق" مولفہ عالم جلیل مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ دام افاداتہ۔

مولف نے یہ کتابچہ نہایت کاوش و جانفشانی سے لکھ کر معلومات کا بہت دلچسپ اور مفید ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ حرفِ آغاز میں ارشاد ہوتا ہے "ہم کیا تھے اور اب کیا ہیں" ایک بسیط بحث ہے، جو دامنِ قرطاس کی تنگی سے صرف اشارات پر ختم کی گئی ہے۔

درحقیقت یہ اشارات عاقل کے واسطے بہت عبرت خیز ہیں، مصیبتوں کا راز صفحہ ۱۵ ملتِ جعفریہ کا پُر خطر دور صفحہ ۱۹ صوفی کی تولیف صفحہ ۲۶ فیروز شاہ تغلق کا سلوک فرقہ شیعہ سے صفحہ ۶۲ چنگیز خان کا ایران پر حملہ صفحہ ۱۶۱ ابن سعود کی شقاوت، ہم کو یقین ہے کہ اس رسالہ میں ترتیب و تہذیب اور ترمیم و اضافہ کی مزید منزلیں نظرِ ثانی کے بعد طے ہو جائیں گی۔ اور ناظرین محترم جلد سے جلد خریداری سے قدردانی فرما کر مولف پیرانہ سال کی ہمت کا جلوہ نظر افروز دیکھیں گے صفحہ ۲۴ پر مولف موصوف نے شیخ سعدی کے متعلق جو اظہار کیا ہے وہ ہماری نظر میں حدِ تحقیق سے باہر ہے خلافتِ عباسیہ کے خاتمہ پر شیخ صاحب نے جو مرثیہ کہا ہے اور اس کے بعد محقق طوسیؒ نے جو شیخ کے ساتھ سلوک کیا ہے وہ اس عہد کا اہم واقعہ ہے۔ جناب غفران مآب اعلی اللہ مقامہ اور شمس العلماء سید محمد ابراہیم صاحب طاب ثراہ کی تصویریں بھی شامل ہیں۔

رسالہ مجاہد لکھنؤ مورخہ فروری ۱۹۵۶ء

"تاریخ شیعہ کا خونچکاں ورق" اس کتاب کے نام سے موضوع محتاج تعارف نہیں رہتا۔ اس میں شک نہیں کہ عصر حاضر میں شیعیت کی اس سے زیادہ جامع تاریخ ہماری نظر سے نہیں گذری جو لسان الملۃ مولانا آغا مہدی صاحب کا تازہ شاہکار ہے۔ اس کتاب کو مؤلف علام نے متن قرار دیا ہے اور اہم سے اہم واقعات تاریخی کو بھی صرف دو ایک سطروں میں بیان کر دیا ہے۔ اگر تفصیل سے قلم اٹھایا جاتا تو یہ ۱۰۴ صفحہ کا رسالہ بہت ضخیم کتاب ہو جاتا۔ اور نہ قوم کی اقتصادی کمزوری دیکھ کر چھپنے کی نوبت آتی نہ اس زمانہ کے بدشوق لوگ مطالعہ کرتے۔ مؤلف نے دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ شیخ سعدیؒ کے مذہب پر جو ایک سطر تاریخ شیعہ میں تھی اسی کی توضیح کی تشریح سعدی کے تشیع کی دلیلیں اور براہین المواعظ میں مسلسل شائع ہو رہے ہیں اور اس بحث نے ناظرین کرام کی دلچسپی کو بہت کچھ بڑھا دیا ہے۔ اس قلم فرسائی کا نتیجہ وہی برآمد ہو رہا ہے جو مؤلف کا مسلک ہے۔ غرض مؤلفانہ مشکلات کو عام لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ واقعہ گجرات کی تفصیل ہمعصر رضا کار لاہور محرم نمبر میں خود مؤلف کے قلم سے ہو چکی ہے۔ لکھائی چھپائی دیدہ زیب اور

عکسی تصاویر آرٹ پیپر پہ کتاب کی صوری حیثیت کا بھی ذمہ دار ہے صفا

نوٹ:۔ شیخ سعدی کے مذہب پہ محترم جریدہ الجواد کی اشاعت

کے بعد (الف-م) کے قلم سے جو مقالات طبع ہوئے ہیں وہ الواعظ بابت اکتوبر،

دسمبر ۱۹۵۶ء و فروری ۱۹۵۷ء کے صفحات میں ملاحظہ کیجئے۔ اور اس

بحث کے سلسلہ میں فضائل مآب مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ عابدی

فیض آبادی کا گرانقدر مضمون الواعظ نومبر ۱۹۵۷ء میں اور اصغر جالی

نوری اور عاشر احسن اختر صاحب ایم اے کے تاثرات الواعظ جنوری ۱۹۵۸ء

میں قابل دید ہیں۔ (ناشر)

عرضِ حال

حفظ کن تاریخ را پایندہ شو
از نفسہائے رمیدہ زندہ شو (اقبالؔ)

مناظرہ و کلام پر معتدد علماء کرام زیادہ سے زیادہ جہاد قلم فرما چکے ہیں۔ لیکن شیعیت پر سلیس اردو میں آج تک کوئی کتاب پُر از معلومات ذمہ دارانہ اسلوب سے نظر نہیں آئی۔ اس اہم خدمتِ دین کے لئے ایسی ذات کی ضرورت تھی جو علم و عمل کی آغوش اور تحریر و تقریر کی فضا میں پل کر بڑا ہوا ہو۔ اور اس نے تاریخ تشیع کا گہرا مطالعہ کیا ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ اس اہم دینی ذمہ داری کا احساس حامی ملت بیضاء ناشر دینِ آلِ عبا زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ لکھنوی (دام عزّ ان تاب) کو ہوا۔ اور تاریخ شیعہ کا خونچکاں ورق سپرد قلم کیا۔ مؤلف کے بزرگ ملک میں دو سو برس سے تبلیغ دین میں مصروف ہیں۔ اور آپ نے اپنے دیرینہ تجربوں کے بعد اوراق کو ترتیب دے کر اپنے وسیع مطالعہ سے صحیح حقائق کا قابل فخر خزانہ جمع کر دیا ہے اور مستحق ستائش اضافہ ایک پُرشکوہ پیشکش اور باعظمت شاہکار ہے۔

امید ہے کہ اس گنجِ گرانمایہ سے تمام افرادِ ملت خصوصاً شیعہ طلبہ اور طالبات لطف اندوز ہوں گے۔ اور ان کی ذہنی استعداد میں اضافہ اور شیعی سرگذشت سے دماغ معمور ہوگا۔

سید علی اطہر نقوی
پنشنر سپرنٹنڈنٹ ملٹری انجینئر سروس لکھنؤ

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدک اللھم علیٰ ما فضلنا علیٰ سائر البریۃ بالتشیع والایمان
ونصلی علیٰ رسولک المبعوث الی الانس والجان وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ
الذین از ھقوا تموِیہ الشیطان

اما بعد شیعیت کے مٹانے کے لیے جب اموی مزاجوں میں طوفان کی طرح جوش آیا ہمارے مظلومانہ صبر و شکیب کی چٹان سے ٹکرا کے رہ گیا اور سلف سے آج تک کوئی ہم کو فنا نہ کر سکا شیعیت کی بنیاد کب قائم ہوئی گوناگوں مخالف طاقتوں میں یہ فرقہ کیونکر باقی رہا۔ دشمن کی تخریبی کوششوں سے نجات اور حفظِ نفس میں اُس نے کیا تدابیر اختیار کیے تیرہ سو برس کے عبرت آموز سوانح و حوادث کو صرف بطور فہرست مختصر الفاظ میں بیان کر کے ثابت کرتا ہے کہ اقلیت کو اکثریت میں کھو دینا یہ خیال ایک سراب ہے جو بندگانِ خدا کو آبلہ فریبیوں کا شکار بنا کر دین و دنیا سے کھو دے گا حقائق دانی کے لیے رواداری ہم قاتل ہے اور اس کا تریاق صرف یہی ہے کہ اس وادیٔ پرخار کے ہر رہرو کے لئے جو چیزیں زنجیرِ پا تھیں ان کا کامل تعارف ہو جائے ہم کیا تھے اور اب کیا ہیں؟ ایک بسیط بحث ہے جو دامنِ قرطاس کی تنگی سے صرف اشارات پر ختم کی گئی ہے اور ایک ہزار صفحات کا گنجینہ محدود اوراق میں اس طرح پیش کر سکا ہوں کہ جن مسائل پر متکلمین میں بحث ہو چکی ہے یا ہوتی رہتی ہے ان کو بالکل نہیں چھیڑا ہے۔ صرف وہ حقائق جو محتاجِ ضبط و تدوین تھے کسی قدر وضاحت سے پیش کیے گئے ہیں پھر بھی

جہاں عبارت گنجلک ہو یا پیچیدگی پیدا ہو جانے سے مفہوم صاف طور پر ذہن نشین نہ ہو تو فٹ نوٹ دیکھ کر اصل ماخذ کی طرف رجوع کریں اور قلم کی ہر لغزش کو دامن عفو میں جگہ دیں۔

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

عبدہ

فقیر باب اہلبیت نبوی

آغا مہدی صاحب رضوی

لکھنؤ مسجد تحسین چوک

۳۰ جمادی الاخر ۱۳۷۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

انسانی دنیا کی تعمیر کے ساتھ حاکم و محکوم دو طبقہ قدرت کی طرف سے قرار دیئے گئے اور انی جاعل فی الارض خلیفۃ کے اعلان نے بتایا کہ اس دنیا میں رہ کر ایک افضل ہوگا دوسرا مفضول لیکن زمانہ کے حالات نوع بشر کی کیفیت مزاج کو دیکھتے ہوئے اس حاکم دین کا نام ہمیشہ ایک نہیں رہا اور نہ اُن کے حلقہ اطاعت کو ہمیشہ ایک لفظ سے یاد کیا گیا ہر دور میں مصالح کے لحاظ سے تبدیلیاں ہوئیں اور مفہوم کو باقی رکھتے ہوئے نئے نئے الفاظ استعمال کیے گئے اور خلیفۃ اللہ کے بعد اس کو نبی رسولؑ امام بھی کہا گیا ہے۔ انبیاء کا دل چاہتا تھا کہ ان حضرات کا حلقہ ماتحت اور ساری اُمت مسلم کے نام سے پکاری جائے اور ہر مسلم و عورت مسلم و مسلمہ کہی جاوے۔ چنانچہ سیرتِ انبیاءؑ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ عرض کرتے ہیں:۔

ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک پ ۱ ع ۱۵

اے ہمارے پالنے والے تو ہمیں مسلم بنا اور ہماری اولاد سے ایک گروہ پیدا کر جو تیرا مسلم ہو۔

حضرت سلیمانؑ کا قول واتونی مسلمین پ ۹ میرے سامنے مسلم بن کر آؤ۔

یہ آیات گواہ ہیں کہ ہم سے پہلے بھی مسلمان تھے بنو اسرائیل کے انبیاء کا زمانہ ختم ہو کر حضرت محمد مصطفےٰ کا عہد آیا اور خاتم النبیین کو پیغمبر اسلام اور اُن کی امت کو عام طور پر مسلم کہا گیا۔ بت پرستی چھوڑ کر سچے دل سے اسلام لانے والوں کے ساتھ وہ گروہ بھی شامل ہونا شروع ہوا جس نے دنیاوی طمع میں بظاہر اپنی روش کو بدلا تھا باطن میں وہی جذبات اور خیالات تھے جو اُن کے باپ دادا کے تھے۔

اس نازک موقع پر سچے دل سے اسلام لانے والوں کو مومن کہا گیا مگر وہ چالاک گروہ مومن بن جانے کے لئے بھی تیار ہوا تو دلوں کی گہرائی دیکھنے والے معبود نے جھڑک دیا اور کہا کہ اب نہ کہنا کہ ہم ایمان لائے ہیں تم تو مسلمان ہو۔

قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا پ ۲۶ ع

عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اے رسول کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو کہ اسلام لائے۔

اس ممانعت کے بعد بھی وہ طبقہ مومن بن جانے سے باز نہ آیا اور خدائے قہار و جبار نے اُن کو منافق قرار دے کر کافروں کے ساتھ ذکر کیا اور اپنے پیغمبر کو اُن سے جنگ و جدال کا مجاز قرار دیا اور فرمایا۔

یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین۔

سورۂ بقرہ کے افتتاحیہ حصہ میں ضمنی حیثیت اور پھر مستقل طور پر سورۂ منافقون میں اس طبقہ کی اندرونی حالت کا جائزہ لیا گیا ہے اور پیغمبر کا عمل بھی یہ تھا کہ وہ آٹھویں دن نماز جمعہ میں اس سورہ کو بلند آواز سے پڑھتے تھے لیکن مسلمانوں کے ایک فرقہ کے سوا کوئی دوسرا

گروہ نماز جمعہ میں سورۃ منافقون نہیں پڑھتا۔

سیرتِ محمدیؐ پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں نماز جمعہ میں سورۃ منافقون[۱] کا ذکر موجود ہے۔ سورۂ بقرہ اور منافقون دونوں سورے مدینہ میں نازل ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد نفاق پردۂ خفا میں نہیں رہا اور ضرورت ہوئی کہ مومن اور منافق میں کوئی فرق قرار دیا جائے۔

اس احتیاج کو قرآن کریم کے بار بار اعلانِ "امنوا وعملوا الصّٰلحٰت"۔ ایمان اور عمل صالح نے پورا کیا جو مومن ہے وہ کردار سے پہچانا جاتا ہے اور جو منافق ہے عمل اس کا ساتھ نہ دے گا۔ عمل صالح کی قید نے ایک احسانِ عظیم کیا تھا لیکن کردار پر نظر میں وقت گذرتا تھا کسوٹی پر کسنے میں دیر ہوتی تھی۔ لسانِ قدرت نے مومن اور منافق میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے لفظ شیعہ بھی لغاتِ قرآن میں محفوظ رکھی تھی اور سیرتِ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ میں اس کو دوبارہ استعمال کیا تھا۔ اس لفظ میں وہ جلال تھا کہ اس کو وہی استعمال کر سکا جو اس کا اہل تھا اور ظاہر پرست طبقہ اس سے ہمیشہ دور رہا اور آج بھی کوئی مخالف اپنے تئیں شیعہ کہنے پر تیار نہیں ہے۔ اسی دوران میں مسلم مومن یا شیعہ منافق ہر سہ گروہ کے ساتھ ایک چوتھی جماعت مرتد ظہور میں آئی جو اہلِ اسلام کے لئے انتہائی ہمت شکن اور مایوس کن تھی مگر قرآن نے ان کی سرکوبی کی خبر دے کر اطمینان دلایا۔

---

[۱] مدارج النبوۃ ص۲۱۷ طبع نول کشور ۱۲

من یرتد منکم عن دینہ فسوف یات اللہ بقوم
یحبھم و یحبونہ۔

(اے ایمان والو! تم میں جو کوئی بھی اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب خدا ایسے لوگوں کو ظاہر کرے گا جنہیں خدا دوست رکھتا ہے اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں۔ پ ۶ ع ۱۲۔

پیغمبر خدا پر ایمان لانے والوں کی یہ وہ تقسیم تھی جو حضور اکرمؐ کے سامنے ہو چکی تھی اس خطرناک گردہ پیش میں آلِ نبیؐ کے ساتھی شیعہ کی لفظ سے یاد کئے گئے۔ اقوام عالم کو ایک دشمن کا مقابلہ دشوار رہو جاتا چہ جائیکہ کئی مخالف طاقتوں کے چشم و ابرو کو دیکھنا اور صبر و سکون کے ساتھ شیعہ فرقہ شیعہ نے اپنے زمانہ کے ہر گروہ کے تصادم کا جواب دیا اور خود باقی رہا۔ کس طرح اس کو آئندہ بتایا جائے گا۔ پہلے یہ دیکھنا ہے کہ:۔

نفاق کی طرح ارتداد بھی کردار پر نظر سے پہچانا جا سکتا تھا مگر حکومت اسلام نے غلط تشخیص سے بعض ناکردہ گناہ فردوں کو مرتد قرار دے کر جنگ کی جس غلطی کا آج تک رونا ہے۔ حالانکہ حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گروہ کے نام حذیفہؓ کو بتا دیئے تھے اور یہ طبقہ ایسا بااثر تھا کہ اس کو اگر نامزد کر دیا جاتا تو اسلام کو عظیم نقصان پہنچتا اور یہ راز اس وقت کھلا ہے جب کسی سفر میں حضور اکرمؐ کو ان نام نہاد مسلمانوں نے اونٹ پر سے گرا دینا چاہا اور آپ نے رازدار حذیفہؓ سے اس ضرر رساں طبقہ کے نام بتلا کر فرمایا کہ یہی تو منافق ہیں یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بھی اس جماعت میں شامل

سلہ اسماء الرجال شیخ عبدالحق دہلوی واحیاء العلوم غزالی ۱۲

شیعہ کا پہلا نام مُسلم تھا

لفظ مسلم اس قدر جامع تھی کہ زبانِ قدرت سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے لیے استعمال ہوئی۔ اور آگے بڑھ کر ان کا خاندان اسی لفظ سے پکارا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت سلیمان نبی کے حلقہ اثر کو بھی لفظ مسلم نے پہچنوایا اور دورِ محمدیؐ تک لفظ کامل احتیاط کے ساتھ استعمال ہوتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے تو اس گروہ کا قول اور فعل ایک تھا۔ اب ظاہر و باطن میں فرق ہو گیا تو قدرت نے حقیقی مسلم کو مومن کا خطاب دیدیا۔ اور عمومی ہوئی طبیعتوں سے علیحدہ کر دیا۔ قرآن مجید میں جہاں خطاب ہوا ہے مومن سے جو اس گروہ کے فخر کے لئے کافی ہے۔ مسلمان کو کسی ایک جگہ بھی نہیں پکارا۔

گذشتہ بیانات سے واضح ہو چکا ہے کہ منافق کی پیداوار رسولؐ کے سامنے سے تھی مرتد کا وجود اگر دورِ نبوی میں کوئی نہ ملنے تو فتنہ ارتداد شروع ہونے کی پیشگوئی تو ہو چکی تھی۔ شیعوں نے منافق اور مرتد دو بڑی طاقتوں میں زندگی بسر کی افسوس ہے کہ خلافت اوّل میں جو لوگ مرتد قرار دے کر قتل کیے گئے وہ مرتد نہ تھے اور حکومت کو پہچاننے میں سخت غلطی ہوئی اور جو بیگناہ قتل کر دیئے گئے وہ خلیفہ اوّل کو زکواۃ وصول کرنے کا مجاز نہ سمجھتے تھے۔ حکومت کو چاہیئے تھا کہ پہلے اپنا قائم مقام رسول ہونا ثابت کرتے۔ زکواۃ نہ دینا ترک واجب کا الزام لگا کر ان کو قتل کر دیا اور عورتیں اسیر کی گئیں تاریخ شیعہ میں

شیعیت کے ماحول کی جن خوبیوں کا ذکر رہ گیا ہے بہتر ہے کہ پہلے ان کی تعریف کر دی جائے۔

مرتد کی تعریف

مرتد کی دو قسمیں ہیں۔ مرتد فطری اور مرتد ملی۔ مرتد فطری وہ ہے جس کے ماں باپ دونوں یا ایک اس کے ماں کے پیٹ میں آنے کے وقت مسلمان ہوں اور وہ اپنے آغاز اسلام کے بعد کافر ہو جائے اور مرتد ملی وہ ہے جو نسلی کافر ہو اور مسلمان ہو کر پھر کافر ہو جائے۔

شارع کو اگر حکومت وقت حاصل ہو تو ایسے شخص کا خون معاف ہے۔ اس کی عورت کو از خود طلاق ہو جائے گی۔ اور پھر وہ بیوی سے رجوع نہیں کر سکتا۔ اور جو کچھ اس کی دولت ہو وہ اس کے وارثوں میں بانٹ دی جائے گی۔ اور چار مہینہ دس دن کے بعد اس کی بیوی دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر عورت اپنا مذہب بدل دے تو اس کے احکام اور زیادہ سخت ہیں جن کی تفصیل فقہ میں ہے۔ صرف اشارۃً تعریف کی گئی ہے۔ نام نہاد مسلم حکومت نے صدر اسلام میں جن کو قتل کیا وہ ایسے نہ تھے۔

ناصبی

امام جعفر صادقؑ نے اپنے صحابی عبداللہ بن سنان کے سامنے اس فرقہ کو پہچنوایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ناصبی وہ نہیں ہے جو ہم اہلبیتؑ سے عداوت رکھتا ہو اس لئے کہ مسلمان ہو کر ایسا تو کوئی نہیں ہے جو یہ کہتا ہو کہ ہم محمدؐ و آل محمدؐ سے بغض رکھتے ہیں ناصبی وہ ہے جو شیعوں سے اپنے دل میں کینہ رکھتا ہو اور وہ جانتا ہو کہ تم ہم کو دوست رکھتے ہو (اسلئے وہ تم پر نظر عناد ڈالے)۔

خوارج اسلامی فرقوں میں وہ گروہ ہے جو حضرت علیؑ پر خروج کرنے کی وجہ سے اسی نام سے مسمی ہوا۔ یہ معاویہ اور علیؑ دونوں کو برا کہتا تھا۔ اور اس کی تعداد کل دو ہزار آدمی تھے جو جنگ نہروان میں قتل کر دیے گئے۔ حضرت امیر المومنینؑ کے سامنے جب ان کا ذکر ہوا اور آپ سے پوچھا کہ ان کو کافر سمجھا جائے تو آپ نے فرمایا کہ وہ کفر ہی سے تو کنارہ کش ہوئے تھے۔ عرض کیا پھر وہ منافق تھے۔ فرمایا منافق تو ذکر الٰہی میں تھوڑا وقت صرف کرتے ہیں۔ اور وہ صبح و شام ذکر خدا میں مصروف رہتے تھے۔ یہ وہ قوم تھی جو ایمان کے بعد چشم بینا اور گوش شنوا کھو بیٹھی[1]

مؤلف عرض کرتا ہے کہ عبادت مقبول ہونے میں تقویٰ شرط ہے لہٰذا نہ تو اس کی عبادت قبول ہو سکتی ہے اور نہ حضرت علیؑ سے جہاد کے بعد اسلام باقی رہ سکتا تھا اس لیے کہ آپ سے لڑنا پیغمبرؐ سے حرب و ضرب تھی۔ امن قائم کرنے کی دھن میں وہ ان حقائق کو سمجھ نہ سکے۔ اور فنا ہو گئے۔ خوارج کا وجود پھر کہیں نہ تھا تاکہ ان حسینؑ کو مر قومہ بالا معانی کی وجہ سے خوارج کہنا صحیح نہ ہوگا اس لیے کہ فوج کوفہ و شام میں کوئی ایسا نہ تھا جو یزید کو بھی برا سمجھتا ہو۔ یہ وہ نام نہاد مسلمان تھے جنہوں نے کفر و شرک و نفاق کی فہرست میں اپنا نام لکھوا لیا۔ اور ابدی لعنت کے مستحق ہوئے۔

نتیجہ کلام فرقہ شیعہ نے جس گرد و پیش میں اپنے تئیں باقی رکھا، ان میں صرف صوفیت تھی جس نے اس کو نظر محبت سے دیکھا۔ اور خصوصیت اہلبیتؑ کی منزل پر اشتراک عمل کیا۔ ورنہ تیرہ سو برس میں زیادہ تر مسلمانوں سے جو تلخ تجربے ہوئے وہ محتاج ثبوت نہیں ہیں حالانکہ سنی شیعہ ایک آغوش رحمت کے پروردہ،

---

[1] اصل لفظ حدیث کی یہ ہے قوم اصابتھم فتنۃ فعموا وصموا ۱۲ مجمع البحرین

ایک خزانہ کے دو موتی، ایک درخت کے دو پھول، ایک پیکر کے دو کارفرما ہاتھ تھے جس میں ایک کو بھی مفلوج بنا دینا دوسرے کے کمزور ہو جانے کا سبب ہے مگر حقیقت بین اور صدق شناس بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ اِس اکثریت کے اصلاح مزاج کی فکر دل سے گئی نہ تھی کہ کمین گاہ سے منافق سامنے آیا۔ اس نے آتے ہی اطمینان دلانا شروع کیا کہ ہم غیر نہیں ہیں۔ جان، مال، اولاد سب حاضر ہے۔ اس کے سامنے "نہیں" چلنے والی نہ تھی۔ وہ ایسا ڈھیٹ تھا کہ جھک کر گلے ملنے پر تیار، کوئی تقریب ہوئی تو تہنیت میں بے عذر، لیکن اس کے چہرہ کے اتار چڑھاؤ سے واضح ہوا کہ اس سے اور زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس کی جیب میں زہر ہلاہل کی شیشی ہو۔ زیرِ عبا ننگی تلوار ہو، محبت کی آڑ لے کر یہ صیاد کا کام کر رہا ہے۔

اب تین مخالف ہو گئے۔ لیجئے کچھ لوگ تشیع میں آرام دُنیا نہ پا کر یہود و نصاریٰ کے زرد جواہر کی گنگا جمنی لہر میں بہہ گئے۔ اور یہ کہہ کر دائرۂ مذہب سے خارج ہو گئے کہ میں تبدیل مذہب کرتا ہوں۔ آگے چل کر تمہاری خبر لوں گا۔ اس کا نام تھا مرتد، یہ تعداد بھی اتنی بڑھی کہ خدا کو اس کا سر کچلنے کے لئے ایک قوم بھیجنا پڑی جس کی سب سے بڑی صفت محبتِ خدا میں امتیاز تھا۔ پانچواں طبقہ خوارج کا تھا۔ یہ ایسے گاؤدم تھے کہ حق و باطل دونوں سے بیزار ہو گئے۔ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانا چاہتے تھے۔ یہ بہت تھوڑے دن دُنیا میں رہ سکے۔ چھٹی طاقت جو مستقل مورچہ سنبھالے ہوئے مدتوں برسرِ پیکار رہی اور اب بھی ان کے دل سے کینہ رخصت نہیں ہوا ہے وہ ناصبی ہے۔

یہ اندرونی طاقتیں تھیں جن کی زد سے شیعہ کو حافظ حقیقی نے بچایا۔ اس کے علاوہ لاتعداد غیر مسلم مذاہب ہیں۔ جن کی چشمِ عناد سے محفوظ رہ کر اپنے تئیں باقی رکھا۔ شیعیت زندہ باد۔ مذہب امامیہ پائندہ باد۔

واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون۔

لفظ شیعہ کے معانی

ابوالفضل محمد بن خالد المدعو بجمال قریشی اپنی کتاب "الصراح من الصحاح" میں لکھتا ہے: شیعۃ الرجل بالکسر اتباع و انصار مرد وھو در اسان فاطمہ رضی اللہ عنہا اور نہایہ میں قلم غیر سے اعتراف کیا گیا ہے "قد غلب ہذا الاسم علی من یتہم انہ یتولی علیاً و اہلبیتہ علیہ وعلیہم السلام حتی صار لہم اسماً خاصاً۔ شیعہ بسا اوقات انہیں لوگوں کو کہتے ہیں جو حضرت علی اور ان کے اہلبیت کی عظمت و اقتدار کے قائل ہیں اور یہ اسی طبقہ کا مخصوص نام ہے۔[1]

ابن اثیر جزری کی رائے صحیح ہے مگر دشمنانِ اہلبیتؑ کا وہ طبقہ جو شیعوں کی فضیلت میں پیغمبرِ خداؐ کی لاتعداد حدیثوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا کبھی کبھی شیعہ ہونے کا دعویٰ کرنے لگتا ہے تو واقعہ نگار نے امتیاز پیدا کرنے کے لئے اُن کو شیعہ عثمان سے یاد کیا اور اسماء والقاب پر قبضہ کی غرارداد نے اس رندانہ تحریک کو واقعہ کربلا تک پہنچایا جس کا احساس فرما کر اپنے عصر کے مصلحِ اعظم حضرت سید الشہداءؑ نے

---

[1] مجمع البحرین فی اور نا لغریقین صفحہ ۵

وصفِ اضافی کو اصلی خدوخال میں پیش کر دیا اور جس وقت مظلوم کربلا کے اثنارِ جنگ میں خیام اہلحرم کی طرف دشمن بڑھے اس دلدوز جرأت اور گستاخی کو مولوی سلامت اللہ حنفی نے حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے :-

" چوں لشکریان ابنِ سعد[1] تابِ مقابلہ ومحاربہ با جناب سید الشہداء علیہ الوف من التحیۃ والثناء نخوردنیا فتند شمر بدپیکر حیلہ دگر اندیشید و خود را با جماعت خود میانہ حسین وحرم محترم حائل کردہ خواست کہ دست تعرض باہل بیت نبوت وراز کند کہ امام مظلوم نعرہ ویحکم یا شیعۃ الشیطان زدہ فریاد کرد کہ من با شما ئی جنگم ایں چہ نامردی است کہ بر زنان بیگناہ می تازید۔"

(تحریر الشہادتین شرح سر الشہادتین مطبوعہ ۱۲۵۶ھ)

امام مظلوم اور حرم نبوی کے درمیان حائل ہو جانے والے بے ادب سواروں کو پیروِ ابلیس کہتے ہیں۔ تہذیب امامت کو کوئی عذر نہ ہوا۔ ان شاذ و نادر مواقع کے سو الفظ شیعہ اپنے حقدار میں محدود رہی اور بقول ابنِ اثیر شیعہ کہنے سے دوستدار علیؑ تک ذہن پہنچتا ہے اور انہیں معانی میں یہ لفظ قصّہ حضرت موسیٰؑ و ابراہیمؑ میں استعمال ہوئی اور حضرت خلیلؑ کی زندگی کا تعارف ان من شیعتہٖ لابراھیم کی نوید مسرت

---

[1] پسر سعد کی فوج جب امام سے جنگ میں کامیاب نہ ہو سکی تو پھر شمر کچھ سواروں کو لے کر امامؑ اور خیمہ کے درمیان حائل ہو گیا اور چاہا کہ کوئی گستاخی کرے آپ نے بلند آواز سے فرمایا اے پیروانِ ابلیس میں تم سے لڑتا ہوں اُن عورتوں نے کیا گناہ کیا ہے جو اِن پر حملہ کرتے ہو۔

سے ہوا۔ ضمیر کا مرجع سامنے نہ ہونے سے عام مفسرین حقیقت تک نہ پہنچ سکے اور سوادِ اعظم کے امام فخر الدین رازی نے لکھدیا:

الضمیر فی قولہ من شیعتہ الیٰ ما ذا یعود فیہ قولان الاول وھو الاظھر انہ عائد الیٰ نوح علیہ السلام ای من شیعتہ نوح وکان بین نوح وابراھیم الفان وستمائۃ واربعون سنۃ۔

(الجزء السابع من مفاتیح الغیب طبع مصر ص۱۳۹)

آیت میں ضمیر کس طرف پھرتی ہے اس میں اختلاف ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ نوحؑ کی طرف پھرتی ہے جن کے اور ابراہیمؑ کے درمیان میں ۲ ہزار ۶ سو ۴۰ سال کا فاصلہ تھا۔

اس تاویل سے کم از کم یہ ثابت ہوا کہ حضرت نوحؑ جو آدمؑ ثانی تھے اُن کے دور میں بھی اُن کے تابعین کو شیعہ کہا گیا ہے۔

قصۂ موسیٰؑ اور قبطی کے قتل کا واقعہ اس سلسلہ کا مشرح بیان ہے۔ اس آیت میں مظلوم کو شیعہ اور دستِ تعدی دراز کرنے والے کو عدو کہا ہے۔

فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ (پ۲۰ ع۵)

جو موسیٰؑ کا پیرو تھا اس شخص پر جو ان کے دشمنوں میں تھا موسیٰؑ سے مدد طلب کی۔

فضائلِ شیعہ میں وحی آموز زبان کی گہر افشانی

اُمتِ مرحومہ میں امم سابقہ اور خصوصاً بنی اسرائیل کے آثار کا پایا جانا فریقین کی متفقہ حدیث

کی بنا پر ہے۔ اور پیغمبر اسلام صلعم کا وہ ماحول جس کی اوپر تصویر کشی کی گئی ہے چاہتا تھا کہ صحیح اسلام کی راہ پر چلنے والے اسی لفظ سے پکارے جائیں جو عہد مولفی میں استعمال ہو چکی تھی لہٰذا شیعہ علیؑ کی لفظ سے پیغمبر خدا کی زندگی کا ہر پہلو ترجمان بنا ہوا ہے۔ سفر، حضر، مکہ، مدینہ، گھر، مسجد، رزم، بزم کوئی جگہ باقی نہیں ہے جہاں بزبان رسالت شیعوں کی نجات، کامیابی کا ذکر نہ ہو، مرقومہ بالا وجوہ افتراق الشقاق فرقہ شیعہ سے حسد کا باعث ہوئے۔

نبوی احادیث میں صرف اسی کو بہشت کا ورثہ دار قرار دیا ہے جن کے سروں پر لواء الحمد کا پرچم لہرا رہا ہو۔ طوبیٰ کا سایہ صراط سے گذر جانے کا پروانہ۔ شمیم فردوس حوض کوثر کے جام اور شراب طہور سے وہی لطف اندوز ہو گا جس کے دل میں اہلبیت طاہرینؑ کا ذرہ برابر بھی بغض نہ ہو۔

وہ مذہب جس میں خدا ایک اس کی آسمانی والہامی کتاب قرآن مجید ایک تبلیغ دین کرنے والا نبی افتراق کا دشمن اس کی سیرت پاک درس اتحاد میں کوشاں، لیکن اختلاف پسند انسان نے مذہب کا حلقہ اثر پھیلنے کے ساتھ افتراق کی تخم ریزی کی اور چھوٹے چھوٹے گھروں پر کھنے کے لیے مسلم کے ساتھ مومن کی لفظ وضع ہوئی اور چونکہ وعدے ایمان میں سب راست باز نہ تھے۔ اسی لیے شیعہ کی قرآنی لفظ استعمال ہوئی ماننا پڑے گا کہ جس طرح اسلام کی آواز بلند ہونے پر عہد نبوی ہی میں کچھ مومن قرار پا گئے اسی طرح ایمان کی ہمہ گیر تحریک میں "شیعہ" نے روح کی حیثیت حاصل کی اور حضور اکرمؐ کے زمانہ میں دوست کو شیعہ اور دشمن کو بغض رکھنے والا

یا منافق کہا گیا چنانچہ ابو سعید خدری ایسے مشہور صحابی کا بیان ہے :-
کنا لنعرف المنافقین ببغضہم (اصابہ جلد چہارم صـ۳ طبع مصر ۱۳۸۶ھ)

ہم منافقین کو حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ سے کینہ اور عداوت رکھنے پر پہچان لیا کرتے تھے خود حضرت امیر علیہ السلام کا ارشاد ہے :-
لا یحبنی[1] الا مومن ولا یبغضنی الا المنافق (صـ۳۴ ۱۳۷۱ھ)

مجھے دوست نہ رکھے گا مگر مومن اور نہ دشمن رکھے گا مگر منافق۔
اگر شیعہ اور غیر شیعہ کی تاسیس وفات حضرت سرور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ہوتی تو کتب سیرت ومناقب میں لاتعداد احادیث رسولؐ فضائل شیعہ میں نہ ہوتے۔ ذیل میں چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔
فاضل محمد صالح حسینی ترمذی کشفی اپنے مناقب میں رقمطراز ہیں :-

(۱) منقبت قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا علی ان اللہ قد غفر لک ولذریتک ولولدک و لاھلک وشیعتک[2] والمحبہ شیعتک فابشر و لانک لا تنزغ الباطن۔

ترجمہ :- در جمع دیلمی وصواعق محرقہ مسطور است کہ رسولؐ فرمود ای علی بدرستیکہ خدائے تعالیٰ بہ تحقیق کہ بخشیدہ است ترا وفرزندان تو را واہل بیت ترا ودوستان ترا پس بشارت دہ تو بدرستیکہ تو نیستی تیرہ باطن۔ (صـ۲۴ طبع بمبئی ۱۳۲۱ھ)

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی طبع مصر۔
[2] ارجح المطالب از معجم کبیر طبرانی۔

(ماحصل) دیلمی اور ابن حجر کے کتب میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:۔
اے علیؑ خدا نے تم کو بخش دیا اور تمہاری اولاد مغفور ہے اور تمہارے
شیعہ منزل غفران پر ہیں پس آپ بشارت دیدیجئے کہ تم بدباطن سے
نہیں ہو۔

منقبت۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا علی
انتَ وشیعتکَ تردون علی الحوض رواء مرویین
مبیضّۃ وجوھکم وان اعدائکم یردون علی
الحوض ظماء مقمحین۔

ترجمہ:۔ در جمیع دیلمی و صواعق محرقہ مسطور است کہ رسول
گفت اے علی تو و محبان تو وارد می شوند بر حوض سیراب و سیر
کردہ شدہ در آنحالیکہ سفید است روہائے شما بدرستیکہ
دشمنان وارد می شوند بر حوض تشنہ با قبح وجہہ (مٹ۵)
فردوس الاخبار و صواعق محرقہ میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا
اے علیؑ! تم اور تمہارے شیعہ حوض کوثر پر سیر و سیراب وارد
ہوں گے چہرے نور سے چمکتے ہوں گے اور تمہارے دشمن
حوض کوثر پر تشنہ لب اور قبیح صورت پہنچیں گے۔

(۳) منقبت:۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
لا تخفوا الشیعۃ فان الرجل منھم یشفع فی مثل
ربیعۃ و مضر۔

لہ مٹ۲۰۵ ارجح المطالب منقول فردوس الاخبار دیلمی۔

ترجمہ :- از حضرت امیر المومنین کرم اللہ وجہہ مروی است کہ گفت رسول سبک ما بید پیروان علیؑ را بدرستیکہ پیروے ایشاں درخواست کنند گناہان جمعی کہ مانند گوسفندان قبیلہ ربیعہ و مضر باشند۔ (حاشیہ)

حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ علیؑ کے شیعوں کو حقیر نہ سمجھو ان میں کا ایک شخص بڑے بڑے قبیلوں کے برابر لوگوں کی شفاعت کرے گا۔

اس حدیث کو دیکھتے ہوئے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ سے بغض رکھنے والے طبقہ نے دورِ نبوی میں شیعیانِ علیؑ کو نظرِ حقارت سے دیکھنا شروع کیا لہٰذا اس فرقہ کی برتری کو ختم کرنے کے لئے محترم رسول صلعم نے شیعوں کا آلہی اقتدار ظاہر فرمایا ہے اور اپنے کلام کو بجائے اثبات کے نہی سے شروع کیا۔

(۲) اسلام کے مشہور سیرت نگار ابن عساکر اور اخطب خوارزم اور جلال الدین سیوطی اور شیخ سلیمان قندوزی وغیرہ علمار اہلسنت نے بالاتفاق نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔

والذی نفسی بیدہٖ ان ھذا و شیعتہ ھم فائزون یوم القیامۃ۔

قسم ہے خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ علیؑ اور ان کے شیعہ ہی قیامت کے دن کامیاب ہوں گے۔

لہ صفحہ ۲۰ ارجح المطالب طبع قدیم نول کشور لاہور

پیغمبر خدا کے زمانہ میں کچھ لوگوں کو شیعوں کے بلند مرتبہ ہونے میں عذر تھا تو آپ نے قسم کھا کر فضیلت بیان کی ایسی لاتعداد حدیثوں کو نظر انداز کر کے فرمایا کہ عہد نبوی میں "شیعہ" اور غیر شیعہ کی کوئی تفریق ظاہر نہ ہوئی تھی" محتاج ثبوت ہے۔

اس قسم کی رائیں سنیت نوازی کا ثبوت اور اغیار کو یہ کہنے کا موقع دیتی ہیں کہ فرقہ شیعہ کی بنیاد عبداللہ بن سبا نے قائم کی ابوالفضل محمد بن عمر بن خالد المدعو جمال القرشی نے سبائیہ کی لغت میں اس قدر لکھا تھا۔

منسوب بعبداللہ بن سبا (الصراح من الصحاح ص۹ یوسفی لکھنؤ ۱۳۳۶ھ)

اس کے بعد عبدالرشید حسینی نے غیر شیعہ بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے اپنے لغت میں اضافہ کیا۔

سبا نام پدر عبداللہ کہ سبائیہ غلاۃ شیعہ از منسوب باندیاد۔

(منتخب اللغات شاہجہانی)

قارئین کرام فرقہ شیعہ جس پرآشوب دور سے گذرا اور آج تک گذر رہا ہے اس کو ملحوظ رکھ کر قلم اٹھانا ہے اور دشمن کی تائید ہرگز ہمارا شیوہ نہیں ہے بالکل کا علم رفتہ رفتہ بلند کیا گیا ہے۔ عبدالرشید نے صرف غالی طبقہ کو نسبت دی تھی اور دو سو برس کے بعد مولوی شیخ عبدالشکور صاحب نے اپنے جرائد میں ببانگ دہل کہنا شروع کیا کہ فرقہ شیعہ عبداللہ بن سبا کی تاسیس ہے ان بے چاروں نے حسبنا کتاب اللہ کہہ دینے کے بعد بھی سورۃ قصص کی آیتوں کو یاد نہیں رکھا کتاب خدا کا فیصلہ تو یہی ہے کہ قرآنی لغات میں لفظ پہلے پہل حضرت ابراہیمؑ کے لئے استعمال ہوئے ہیں اگر عبداللہ ابن سبا کا وجود عہد نمرود سے پہلے ثابت کر دیا جائے تو دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے اور

ہماری خامہ فرسائی غلط ہے ورنہ اِس قسم کی ہر آواز دروغ بے فروغ ہے۔

دشمن کی حرکت مذبوحی

اس مختصر تاریخ سے واضح ہوگیا کہ لفظ شیعہ بزم رسولؐ میں محتاجِ تعارف نہ تھی۔ اس مقصد کے پایۂ تکمیل کو پہنچ جانے کے بعد ہم پھر یاد دلاتے ہیں کہ مشکوٰۃ شریف اور اصابہ کی روشنی میں معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت امیرؑ سے کینہ رکھنے والے کا نام منافق تھا۔ یہ لفظ تیر آ دجبر آ ہر مخالف پر پوری اترتی تھی کہ معاویہ کے فتنہ پرور اور غریب افزا دماغ نے سالہ[1] میں اپنے ہم خیال طبقہ کے لئے سنت جماعت کا نام تجویز کرکے اس تنافر کو دور کر دیا جو منافق کی لفظ میں مضمر تھا کم و بیش سو برس تک وہ طبقہ جو ابو سفیان کی نسل اور اس کی پالیسی کا حامل تھا سنت و جماعت سے پکارا گیا یہاں تک کہ اس جماعت میں اُن کے امام اعظم ابو حنیفہ المتوفی سنہ ۱۵۰ھ برسر اقتدار ہوئے اور ان کی افتادِ طبیعت وقیاس پسندی نے اصلاحی خدمت کا یہ پھل پایا کہ وہ طبقہ جس نے ان کے اقدامات کو نظرِ استحسان سے دیکھا تھا حنفی کہا گیا پھر بیس پچیس[۲۵] سال کے اندر محمد بن مالک بن انس المتوفی سنہ ۱۷۹ھ نے اپنے اجتہاد کو ان کی مذہب میں ڈھال[2] دیا اور تقریباً اتنی ہی مدت گذرنے پر محمد بن ادریس شافعی المتوفی سنہ ۲۰۴ھ نے مذہب شافعی کی خشت نصب کی اور ان برسرِ حامی کو ناکامیاب قرار دیتے ہوئے امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ نے حنبلی مذہب بنایا اور

---

[1] قال العلامۃ العینی فی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری فاخذ المعاویہ البیعۃ لنفسہ فکانت تلک السنہ سنۃ الجماعۃ صہ۲۱۹ تاریخ احمدی طبع نور المطابع ۱۳۲۴ھ

[2] مولوی محمد فرقان علی حنفی قادری

پر چہار مصلے کعبہ میں علیحدہ علیحدہ نظر آنے لگے اور مسلمانوں کا وہ حصہ جو خلافت بلا فصل میں عذر کرتا تھا اس میں تقسیم ہو کر ساری دنیائے اسلام پر چھا گیا۔

جذبۂ انتقام میں ایک غلط اقدام

یہ گروہ جس نے ہمیشہ وقت کا ساتھ دیا اور ہر صدی میں اپنے نام بدلنے کا عزم کر چکا تھا اس نے شیعوں کو رافضی کہنا شروع کیا یہ اقدام عہد کلیم کی ایک لفظ کو زندہ کرتا تھا چنانچہ سیرت[1] حضرت موسیٰ میں موجود ہے کہ دشمن اُن کے دوستوں کو رافضی کہتے تھے تیسری صدی ہجری میں امام شافعی نے اس دریدہ دہنی کا جواب دیا جس کو ابن حجر ایسے تنگ دل نے بھی قبول کیا۔

لنعم ما قال اماما ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی المطلبی رحمہ اللہ علیہ ؎

اذا نحن فضلنا علیاً فاننا	روافض بالتفضیل عند ذوی الجھل
ولو کان الرفض حب آل محمد	فلیشھد الثقلان انی رافضی

وصواعق کیا اچھا فرمایا ہے ہمارے امام اعظم سیدنا و مولانا حضرت امام محمد بن ادریس الشافعی مطلبی رحمۃ اللہ نے کہ جب ہم جناب علی کو فضیلت دیتے ہیں تو بے وقوفوں کے نزدیک ہم رافضی ٹھہرائے جاتے ہیں اگر آل محمد کی محبت رفض ہے تو جن و انس گواہ رہیں کہ میں رافضی[2] ہوں۔

یہاں تک کہ اسی جماعت میں جو اپنے نام کو بمصلحت بدل چکی تھی زمانہ کی آب و ہوا کے لحاظ سے نجدی وہابی، مقلد غیر مقلد دیوبندی اہل قرآن

---

[1] انیس الخاطر و جلیس المسافر صفحہ ۹۳

[2] ارجح المطالب صفحہ ۶۹۱ و مناقب المصطفیٰ مولفہ حیدر علی قلندر صفحہ ۲۸۱

اہل حدیث کی لفظیں استعمال ہوئیں اور معمولی کتربیونت نے باہمی افتراق پیدا کیا ورنہ یہ سب ایک میدان کے شہسوار ہیں۔ اب ایک غیر جانبدار بھی فیصلہ کر سکتا ہے کہ شیعہ بہت قدیم اور قرآنی نقطۂ نظر ہے اور سنت والجماعہ جدید اور خود ساختہ۔

نجات یافتہ فرقہ کون ہے؟

صالح ترمذی کشفی لکھتے ہیں :-
مناقب ابن بابویہ مسطور است کہ از عمار ابن رضی اللہ عنہ روایت می کند از مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ گفت تفرق ھذا الامۃ علی ثلث وسبعین فرقۃ اثنان وسبعون فی النار وواحد فی الجنۃ و ھم للذین قال اللہ تعم وممن خلقنا امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون وھم انا وشیعتی۔ این امت ہفتاد وسہ گروہ می شوند ہفتاد و دو در دوزخ میروند ویکے در جنت واین گروہ کہ حق تعالیٰ در شان ایشان آیۂ مسطورہ فرستاد آں فرقہ منم و محبان من (ص۲۹)

پیغمبر خدا کی وحی آمود حدیثیں حضرت علیؑ کے ارشادات اصحاب اخیار کی خبریں شیعوں کا طرۂ امتیاز تھیں اور ہر دماغ اور ذہن نے سمجھ لیا کہ فرد مسلم کی نجات شیعہ علیؑ ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے اس غیر معمولی تعارف کا نتیجہ یہ ہوا کہ گروہ مخالف اس مٹھی بھر جماعت کا دشمن ہوا اس نے طے کر لیا شیعہ اقلیت کو فنا کر دو۔

مصیبتوں کا راز

ظلم وستم کی طوفان زدہ آندھیاں تعصب کی گھنگھور گھٹائیں قہر و استبداد کی بجلیاں آل رسولؐ کے نام لیوا کو کہاں چین سے بیٹھنے دے سکتی تھیں ان کی مقدس زندگی کے زیادہ سے زیادہ چراغ وقت سے پہلے بجھے مگر جو سخت جان زندہ رہ گئے وہ اقلیت میں بھی

حق و انصاف کا کلمہ پڑھتے رہے اور دنیا اُن کی ذہنیت کو تبدیل نہیں کر سکی۔

فرقہ شیعہ نوزائیدہ مذہب ہوتا اور کسی وقتی ہیجان سے متاثر ہو کر عملی جامہ پہنتا تو عادیت جس قدر ناپائیدار ہوتی اتنی ہی عمر حاصل ہوتی اور پھر وہ ختم ہو جاتا کیا کیا جائے۔ وہ دنیا کا قدیم ترین مسلک تھا جس کو آتش نمرود جلا کر راکھ نہ بنا سکی۔ فرعونیت بحر فنا میں غرق نہ کر سکی آلہی طاقت پشت پناہ تھی۔ صادق کا وعدہ صبح قیامت تک زندہ رکھنے کا ضامن تھا اس لئے کہ یہ انسان تھے جن کے لئے یہ ابتلا ضروری تھا۔

انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه۔

انبیاء و مرسلین مرکز مصائب تھے تو ان کے نام لیوا ہمیشہ ظلم و ستم کی چکی میں پستے رہیں گے اور یہ کشمکش کی زندگی اُن کے تقرب آلہی کی دلیل ہوگی اور یہی اس فرقہ کی آن بان تھی جو کبھی نہیں رخصت ہوئی۔ سے

ہٹ اپنی اپنی بات کی ہے دھیان اپنی اپنی آن کا
ہم ہیں کہ مٹنے میں مٹنے پر وہ ہیں کہ مٹائے جاتے ہیں (آرزو)

مظلوم کو اپنی منزل سے صبر و شکیب کے ساتھ گذر جانے پر جو لذت اور شیرینی محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مستقبل کی ہمدردیاں ہمارے ہی ساتھ ہیں اور ظالم سے بیزاری ذوقِ سلیم کا اعلان عام ہے جامع کبیر کافی کی حدیث اذا احب عبد اغتہ بالبلاء[1]

جب خدا کسی بندہ کو چاہتا ہے تو اس کو بلاؤں میں گھیر دیتا ہے۔

اہل سنت کے صحاح ستہ میں بھی یہ مقصد موجود ہے۔

---

[1] اصول کافی صـ۲ نول کشور

اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل
منزلِ امتحان پر شدید ترین ابتلا را خیار مرسلین کا ہے۔
ان کے بعد جو مرتبہ میں بڑھے ہوئے ہیں ان کی بلا اپنے سے
پست طبقہ سے افزوں ہے ۔ [1]
جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

وہ افرادِ ملت جو شیعہ ہو کر ہر دَور میں خارزارِ مصائب سے گذرے جن کے چپ و راست روبرو و عقب میں، تحت و فوق مظالم کی مسلح فوجیں تھیں، جن کی موردِ ملخ کے سوراخ میں بھی جائے پناہ نہ تھی کسی نہ کسی طرح اس آسمان کے سایہ اور زمین کی وسعت میں رہے اور زمانہ کی سرد و گرم ہواؤں سے دلیرانہ مقابلہ کرتے رہے اور ایک قرن کے بعد دوسرے قرن میں آئے یہ بقا ایک کرشمۂ قدرت تھا، یا سچائی کا پھل وعدہ الٰہی کا راز ہو، عزائم میں پختگی اور ارادوں میں طاقت پیدا ہو کر جینے کی امید ہوئی لیکن ایک صدی کے بعد دوسری صدی سخت ثابت ہوئی اور دورِ ابتلا نے اقوام عالم کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس کشمکشِ حیات کی پیشین گوئی زبانِ رسالت سے ہو چکی تھی۔ اُس وقت جب ایک نووارد نے عرض کیا کہ میں خدا کو دوست رکھتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا امتحان کے لئے تیار ہو جاؤ اُس نے عرض کیا میں آپ کو بھی دوست رکھتا ہوں فرمایا فقر کے لئے آمادہ ہو جاؤ اُس نے عرض کیا کہ میں علی ابن ابی طالبؑ کو بھی دوست رکھتا ہوں۔ فرمایا۔۔۔

---

[1] ارشاد ساری شرح صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۲۴۲ از احمد بن محمد خلیب قسطلانی

استعد لکثرۃ الاعداء۔

دشمنوں کی اکثریت پر تیار رہ۔

پیغمبر خدا کے وقت میں لفظ شیعہ کے استعمال پر جو ثبوت شیعی نقطہ نظر سے ہیں وہ اس قدر طویل ہیں کہ اس موضوع پر اہلِ قلم نے مختلف کتابیں مدوّن کی ہیں۔ اس ذخیرہ میں صرف ایک روایت ملاحظہ ہو جو حضرت امام محمد باقرؑ پر ختم ہوتی ہیں اور آپ اپنے آباء طاہرینؑ سے قول حضرت امیر المومنینؑ نقل فرماتے ہیں۔

واللہ لقد مات رسول اللہ وھو علی أمتہ لسا خطا الا الشیعۃ الاوانّ لکل شیٔ عروۃ وعروۃ الاسلام الشیعۃ الاوانّ لکل شیٔ دعامۃ ودعامۃ الاسلام الشیعۃ الاوان لکل شیٔ اماماً وامام الارض تسکنھا الشیعۃ (تاویل الایات الظاہرہ مخطوطات)

خدا کی قسم رسول مرتے وقت اپنی امت سے ناراض تھے مگر شیعوں سے خوش تھے۔ ہر شے کا ایک ستون ہے اور ستون اسلام شیعہ ہیں ہر شے کا شرف ہے اور شرفِ اسلام شیعہ ہیں، ہر شے کا ایک پیشوا ہوتا ہے اور زمین کا پیشوا وہ خطہ ارض ہے جس پر شیعہ آباد ہوں۔

ملّتِ جعفریہ کا پُرخطر دور

پیغمبر خداؐ کے سامنے اور اُن کے بعد مختلف مواقع پر شیعوں کے خلاف آگ بھڑکی اور یہ کہنا غلط ہے کہ عہد رسولؐ میں شیعہ اور غیر شیعہ کی کوئی تفریق ظاہر نہ ہوئی تھی اسامہ کی قیادت سے انکار صرف اسی بنا پر تھا کہ اسامہ اُس جماعت سے نہ تھا جس کو پیغمبر خداؐ اپنی وفات کے موقع پر مدینہ سے ہٹا دینا چاہتے تھے انتخاب خلافت کی قرارداد میں مجمع

اپنی جگہ پر رہا اور پیغمبرِ خدا کو سخت الفاظ استعمال کرنے کی نوبت آئی۔

امیر المومنین حضرت علیؑ اور اُن کی اولاد میں مسلسل ذریتِ معصومینؑ کی شہادت نے طرفِ مخالف کے جذبۂ عناد کا پتہ دیا اور یہ طے ہو گیا کہ دشمن نے آلِ محمدؐ کو دنیا میں زندہ رہنے نہیں دیا۔

قتل کی ایک واردات ہوتی تو اجتہادی غلطی اور قاتل کا جذبۂ انتقام متصور ہوتا مگر سلسلۂ آئمۂ اہلبیتؑ میں گیارہ اماموں کا یکے بعد دیگرے شہید ہونا اور تلوار، زہر ہلاہل، قید، نظر بندی، تمام امکانات کو صرف کر دینا بتاتا ہے کہ ہر حادثہ قتل عمد تھا۔ یزید کا اپنے اسلام سوز شعر میں اس کا اظہار کہ وہ مقتولین بدر کا بدلہ لینے میں کامیاب ہوا اگر بفرضِ محال صحیح ہے تو امام زین العابدینؑ اور دیگر ائمہ کی زہر خورانی کا کیا سبب تھا؟ دوستدارانِ اہلبیتؑ کیوں قتل کئے گئے۔

ستم ایجاد گروہ نے ایک کو قتل کر کے زنداں آباد کئے حجاج ابن یوسف کے ہاتھوں قربانی کا میند برسا۔ متوکل کی ذات سے خس و خاشاک کی طرح کنوئیں پاٹے گئے اور دستِ ظلم جب اور زیادہ ہوا تو بغداد کی دیواروں کے خونیں گارے سے اٹھی لاشیں دریا میں پھینکیں یا نذرِ آتش کر دیں۔ قبروں کے نشان مٹائے۔ نجیبہ دیا کر کام تمام کیا۔ چٹائیوں میں لپیٹ کر دم نکالا۔ حاکم شہر بیمار پڑا تو شیعہ خونِ علیؑ کی اس تلوار کے تلوے میں مالش ہوئی۔ بے بنیاد و شتباہ پر کسی کو زندہ دفن کر دیا۔ یحییٰ ابن نصیر

سلہ روض العادقین صلہ۴ بحث معجزات ازراحۃ القلوب نقلاً عن مناقب لاسمٰعیل بن زنجان۔ سلہ حیات الحیوان دمیری جلد ۲ صد ۵ ہ

سلہ تاریخ کامل ابن اثیر۔

فقیہ خراسان کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر دربارِ حجاج میں لائے[1]۔ تلوار زہر حبس دوام جلا وطنی شیعہ زندگی کے ختم کر دینے والے مصائب تھے مگر یہ مٹھی بھر جماعت جبر و قہر کے کالے بادلوں میں چاند اور تارے بن کر چمکے مصالح کی مورچہ بندی میں مجنوں بن کر لیلائے مذہب کا ساتھ دیا۔

مجسمہ خیر ہستیوں زہد و ورع کے پیکر نمودار افراد کو لرزہ براندام کر دینے والے مظالم سے دوچار کرنا وہ مصائب کے پہاڑ تھے جس کے مقابلہ کے لیے فرقہ شیعہ نے حفاظت ذاتی کے لیے امکانی تدابیر اختیار کرنا شروع کیے اور سیرت اہلبیتؑ ہی کی روشنی میں اپنی جانیں بچائیں۔ بچوں کو ذبح ہونے سے بچایا۔

فرقہ شیعہ کو جس کے ممبروں میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا پہلا نام تھا اپنے زمانہ کے نمرودیوں سے بچنے کے لیے جو تدابیر اختیار کرنا پڑیں اُن کو تعصب کی عینک اُتار کر رواداری کے پردے چاک کر کے دل کی آنکھوں سے دیکھو اُن کو کبھی چھپ کر کام کرنا پڑا اور غیبت میں نصرتِ دین کی کبھی ہجرت پہ تیار رہے اور دیس چھوڑا' اہل وطن سے جدا ہوئے پردیس میں یک بینی و دو گوش قدم رکھے کبھی مجنون بن کر زندگی بسر کی اور مسلک کی آزادی میں فرق آنے نہ دیا۔ کبھی فقیرانہ زندگی اختیار کی اور رخت گدائی پہنا۔

مناظرہ کا آغاز

سُنی شیعہ تفریق کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فریقین صبر و سکون کے ساتھ اپنے اپنے

---

[1] مفاتیح الغیب فخر الدین رازی ج ۱ ص ۲۰۹ مصر۔

عقائد پہ باقی رہ کر عام نگاہوں میں شیر و شکر رہے یا مناظرہ و مجادلہ کا دروازہ بھی کھولا گیا۔ افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اختلاف کی وبا دلوں تک محدود نہیں رہی بلکہ زبان اور قلم سے اکثریت نے اقلیت کو کچلنے کی کوشش کی اور مناظرہ کی بنیاد بھی عہدِ نبوی میں شروع ہو گئی اور جب تک وحی کا دروازہ کھلا رہا لسانِ قدرت سے جوابات ملتے رہے۔ حارث بن نعمان فہری نے حدیث غدیر سے انکار کیا اور خدا سے دُعا کی۔

اللھم ان کان مایقول محمدؐ حقا فامطر علینا حجارۃ من السماء او ئتنا بعذاب الیم۔

اے معبود اگر جو کچھ محمدؐ نے کہا ہے وہ ٹھیک ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر دردناک عذاب بھیج۔

فما وصل راحلتہ حتی رماہ اللہ عزوجل الحجر سقط علی ھامتہ فخرج من دبرہ فقتلہ۔

اپنی سواری تک وہ شخص نہ پہونچا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر گرا جو سر کو توڑتا ہوا نیچے سے نکل گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

سال سائل بعذاب واقع للکافرین لیس لہ دافع من اللہ ذی المعارج۔ (الکشف والبیان ثعلبی)

اس قسم کے واقعات کثرت سے ہیں جن کو نقل کر کے طول نہیں دیا جاتا جب پیغمبرؐ کے سامنے یہ طبقہ راہِ راست پر نہ آیا تو وحی کا دروازہ بند ہو جانے کے بعد کب اُمید تھی۔ چنانچہ زبان اور قلم سے باطل کی وکالت بھی ہر صدی میں ہوئی۔ یہ واقعہ پہلی صدی ہجری کا تھا دوسری صدی میں ابو حنیفہ امام اعظم اہلسنت نے خلافت جور کی تاسیس میں زبردست اقدام کیا

جس کے بصیرت افروز حقیقت نواز جوابات فضال بن حسین کوفی دیتے رہے پھر عہد ہارون رشید میں یحییٰ بن خالد برمکی اور عمر بن عبید نے تشیع کی بنیاد کو متزلزل کرنا چاہا اور ہشام بن حکم نے نصرت دین میں باطل کو شکست دی۔ چوتھی صدی میں علی بن عیسیٰ رمانی اور قاضی عبدالجبار معتزلی نے شیعیت پر حملہ کیا جس کے جوابات شیخ مفیدؒ نے دیئے۔ پانچویں صدی میں ابن صیرفی نحوی کی علمی طاقت کا مقابلہ سید رضی علیہ الرحمہ نے کیا۔ پھر ساتویں صدی میں زمخشری درازی کی رد میں خواجہ نصیر الدین طوسی علیہ الرحمہ نے اقدام کیا اور سکاکی کے سید شریف نے جوابات دیئے۔ قاضی برہان الدین مالکی اور عباد بن جماعہ شافعی کی رد میں شہید اول کا وجود ذی جود اور فخر الدین رازی کی علمی جدوجہد کو شیخ محمود[1] حمصی نے تار تار کیا دسویں صدی میں فضل اللہ بن روزبہان بن فضل اللہ الخنجی الشیرازی شیعوں کے خلاف اُٹھے اور دنداں شکن جوابات پائے۔ ہندوستان میں ملا عبدالقادر اور دیگر علماء کی خفیہ ریشہ دوانیوں کا قاضی نور اللہ شوستری نے جواب دیا مولوی سمیع الدین صوفی اور عبدالعزیز دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ کی غلط فہمیوں کو سید دلدار علی نصیرآبادی غفرانمآب اور ان کے تلامذہ نے دُور کیا اس عصر کے امام اہلسنت مولوی شیخ عبدالشکور صاحب کاکوروی بانی دار المبلغین پاٹہ نالہ لکھنؤ کے فرسودہ

---

[1] فخر الدین رازی نے تفسیر مفاتیح الغیب جلد دوم ص۳۸۵ تقطیع کلاں طبع مصر میں ان بزرگ کو بایں الفاظ یاد کیا ہے کان فی الری رجل یقال لہ محمود الحمصی وکان معلم اثنی عشریہ" یہ امر تحقیق طلب ہے کہ لولوۃ البحرین میں سدید الدین شیخ محمود حمصی جن کو استاد المتکلمین کے گراں قدر لقب سے علامہ مجلسی نے یاد کیا ہے یہی بزرگ ہیں یا دوسرے۔

شبہات کو خطیبِ اعظم سید سبط حسن صاحب المتوفی ۱۳۵۴ھ اور اُن کے برادر علیی البراعہ مولانا سید ظفر مہدی صاحب جالسیٰ اعلیٰ اللّٰہ مقامہم نے پادرہوا کیا اور جریدۂ النجم لکھنؤ کے جواب میں اصلاح اور رسالۂ سہیل یمن کا نام تاریخ شیعہ میں باقی رہے گا۔ یہ تھی مختصر فہرست شیعہ متکلمین کی جنہوں نے مخالف طبقہ کا جواب دیا۔

عوام بھی کبھی شیر و شکر نہیں ہوتے اور ہمیشہ نوک جھوک جاری رہی۔ شیخ ادیب احمد بن محمد انصاری یمنی شیروانی لکھتے ہیں کہ ایک مردِ سنّی نے شیعہ شخص کے پاس گیہوں بھیجے جو پرانے ہو چکے تھے اور اچھے نہ تھے۔ شیعہ نے واپس کر دیئے۔ سنّی نے اس کے بدلے نئے گیہوں بھیجے مگر کچھ مٹی ملی ہوئی تھی۔ شیعہ نے گیہوں کی رسید میں خط لکھا:-

بعثت لنا بدال البر برا ‏ رجاء للجزیل من الثواب
رفضناہ عتیقا وارتضینا ‏ بہ اذجاء وھو ابو تراب

تم نے ہمارے لئے گیہوں کے بدلے گیہوں بھیجے بے پایاں ثواب کی توقع رکھتے ہوئے ہم نے پرانے گیہوں کو چھوڑا اور جو گرد آلود گیہوں بھیجے ان کو پسند کیا۔ اس شعر میں ارتضیٰ اور رفض اور ابو تراب کے الفاظ بیت کی جان ہیں جو اساسِ شیعت کی تصویر کشی کرتے ہیں۔

قربانیوں کا راز

نہیں کہا جا سکتا کہ شیعہ کس وقت صابر رہے اور کس وقت قربانی پر تیار ہو گئے جس سے سامنے ماحول ہوتا ہے وہ اپنی تکلیف شرعی خود مقرر کرتا ہے۔ میرے خیال میں ان کا یہ رویّہ حضرت امیرؑ کی تعلیم سے ماخوذ تھا جب کوئی بلا آئے تو اپنے

مال کو جان کا صدقہ قرار دیدو۔ اور جب کوئی مصیبت آئے جس میں تمہارے
دین پر بن جائے تو جان کو دین پر نثار کر دو۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

شیعتی یا نوف ذبل الشفاہ خمص البطون رھبان فی اللیل
اسد فی النھار۔

اے نوف میرے شیعہ وہ ہیں جن کے لب پژمردہ ہوں گرسنگی
(ان کی خاص صفت ہے) رات کو اندھیرے میں وہ راہب معلوم
ہوں اور دن کو ادائگی فرائض میں وہ شیر کی طرح (نڈر) ہوں۔

دوسری احادیث اس طرز زندگی کے منافی نہیں ہیں چنانچہ امام
معصوم کا ارشاد ہے۔

انما شیعتنا من اطاع اللہ وعمل عمالنا۔

شیعہ ہمارے صرف وہ ہیں جو مطیع خدا ہوں اور ان کا کردار
ہمارا ہو۔

عمل اہلبیت میں صبر اور جہاد دونوں داخل ہیں۔

جب عنانِ سخن یہاں تک پہونچی تو اب ہم پہلے وہ عنوانات پیش
کرتے ہیں جو شیعہ نے اختیار کئے۔

مصیبتوں کے پہاڑ اور مظلوم کی طرف سے ردِ عمل
جان بچانے کی ہر ممکن تدابیر

مشکلے نیست کہ آساں نشود		مرد باید کہ ہراساں نشود

سلہ مستدرک نہج البلاغہ ص ۶۵ طبع نجف اشرف۔ سلہ مناقب ترمذی کشفی

غیر جانبداری قرآن اور صدائے رسولؐ کے سوا فرقہ شیعہ کے سب سے بڑے قائد نے حلقۂ اثر کو ایک معاشرتی اصول یہ بھی بتایا تھا۔

کن فی الفتنۃ کابن اللبون لا ظھر فیرکب ولا ضرع فیحلب۔

فتنہ و فساد کے زمانہ میں اس طرح ہو کر جیسے اونٹ کا بچہ ہوتا ہے جو اپنی عمر کے دو سال ختم کرکے تیسرے برس میں پہنچے اس کی ماں اس عرصہ میں دوسرے بچے کو دودھ پلانے لگتی ہے۔ اسی وجہ سے ماں لبون اور بچہ ابن لبون کہلاتا ہے۔ نہ اس کی پشت اتنی مضبوط ہوتی جس پر سواری کی جائے نہ اس کے تھن بھرے ہیں تاکہ دودھ دوہا جائے۔

حکیم روحانی نے دوا تجویز کر دی مریض اگر اپنے مزاج کے موافق سمجھے تو نسخہ حاضر ہے اور طبیعت کی اصلاح کرے۔ انسان اپنے نفس کا بہتر ناظر خود ہے۔ نامساعد زمانہ اس جماعت سے ہمیشہ بر سر مخالفت رہا اور کبھی مشق ستم سے باز نہ آیا۔ قدرت نے دماغ میں ایک نئی صورت پیدا کی اور گویا پکار کر کہا کہ جان بچانا ہو تو فقیر بن جاؤ۔ کاسۂ گدائی اگر ہاتھ میں ہوگا تو حکومت قہر آلود نظر سے نہ دیکھے گی مسکین سمجھ کر چھوڑ دے گی بہت سے ایسے تھے جو پر فریب دنیا سے قطع منہ موڑ کے الگ ہو گئے۔ کچھ صوفیت کے جامہ میں چھپے گئے مگر اپنے پیشوا کو نہ بھولے۔

تقیہ اب رہا تقیہ تو وہ اس سلسلہ کی آخری کڑی اور جائے پناہ تھی جس کی تشخیص میں کامل غور و خوض کی ضرورت پڑتی تھی۔

فکر و نظر کے بعد فرائض معین کرنا پڑے، چنانچہ کتنے ایسے تھے جن کو عام نظر دائرہ تشیع کے باہر سمجھتے رہے مگر وہ دشمن کے پاس میں اپنا کام کر رہے تھے اور بیکر غیر میں آنے کے بعد بھی جادہ سے نہ ہٹے خلفاء جور کی مدح کی ابوبکر زنگی کی منقبت میں قلم اٹھایا گیا مگر دل کی گہرائیوں والا تخیل زبان تک آہی گیا ہے

ترا آنکہ دہا گر بعد یار غار

ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار — سعدی المتوفی ۶۹۱ھ

یہ سچے دل کی نصیحت محتاج تعارف نہیں ہے اور ضبطِ نفس کا مرحلہ جب تحمل سے باہر ہو جاتا ہے تو صبر و شکیب اختیار کرنے والا گفتار و رفتار میں آزاد ہو جاتا ہے اور مہر خاموشی ٹوٹ جاتی ہے۔ اسی پر آشوب زمانہ کے ایک دوسرے شاعر نے اپنے مولا کو یوں پکارا۔ ع

منبع ہفت و چہار وقت مدد است

اس صدائے حق کو خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۹۱ھ نے لب و لہجہ میں کسی قدر ترشی پیدا کر کے یوں اپنایا ہے

بدشمناں مفشیں حافظا تو لا کن

نجات خویش طلب کن بجان ہشت و چہار

(لسان الغیب دیوانِ حافظ طبع نامی پریس ۱۳۱۰ھ)

بہر حال اب ہمارے پاس دشمن کو ساکت کرنے والی کوئی دلیل نہیں ہے جو بتائیں کہ میر جملہ وزیر اورنگ زیب شیعہ تھے اور دہلی میں جو سید خاندان تخت و تاج کا مالک ہوا ۱۱۳۲ھ سے ۳۶ برس حکومت کی، ان کا کیا مسلک تھا حیدر علی والی میسور کا شیعہ ہونا لازم جن کو ۱۱۷۷ھ میں

انگریزوں نے لپسپا کیا مگر ان کے فرزند سلطان فتح علی ٹیپو المتوفی ۱۲۱۳ھ کے افرادِ خاندان نے بیان کیا کہ وہ اور ان کی اولاد سب ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے۔ یہ خبر متواتر ہی تھی ایک شیعہ مخالف ماحول میں کیونکر زندگی بسر کرے ہاں سُنی ہوئی باتوں کو چھوڑیئے اب غیروں کی آواز بھی کان تک پہنچا تا ہے۔ محمود خاں محمود بنگلوری تاریخ سلطنت خداداد میسور میں اعلان کرتے ہیں کہ سلطان ٹیپو کے آلاتِ حرب پر اسد اللہ الغالب لکھا ہوا تھا۔[۱]

صوفی صدرِ اسلام سے کئی قرن تک ایسے صاحبانِ کمال گذرے ہیں جن کے اقوال و افعال دیکھ کر آسانی سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ شیعہ تھے یا سُنی۔ اس لئے کہ کہیں وہ حق کے پکے حامی نظر آتے ہیں اور کہیں باطل کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابو یزید بسطامی اور معروف کرخی ایسے مشاہیر کو بھی بعض[۲] اہلِ تحقیق شیعہ قرار دیتے ہیں۔ میرے نزدیک حقیقت بے نقاب رہنے کی یہی وجہ ہے کہ طبقہ اولیٰ جس دور سے گذرا اس میں زبان اور قلم اور جذبات ہر قوت پر پہرا تھا اور مستقبل میں ان کے مسلک کے بارے میں رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فقراءِ عظام اور صوفیائے کرام نے اپنی گدڑیوں میں محبتِ اہلبیتؑ کے گوہرِ آبدار کو خوب چھپایا مگر افراط و تفریط نے اصل مقصد کو فوت کر دیا اور توحید زد میں آگئی حالانکہ حقیقی صوفیت یہ تھی کہ جو خود شیرِ خدا کی زبان سے تعریف کی گئی ہے۔

---

[۱] تاریخ میسور ص ۲۸ طبع چہارم لاہور ۱۹۴۷ء

[۲] معراج العقول شرح دعائے مشلول عربی فاضل نونہروی ص ۲۴۸

الصوفی من لبس الصوف علی الصفاء وجعل الدنیا علی القفاء وسلک طریق المصطفٰی واستوی عنده الذہب والحجر الفضہ والمدر والافالکلب الکوفہ خیر من الف صوفی۔

صوفی وہ ہے جو صاف جسم میں پشمینہ پہنے اور دنیا کو پس پشت ڈال دے اور محمد مصطفٰے کا چلن اختیار کرے اور اس کے نزدیک طلائے خالص اور پتھر اور چاندی اور سنگ ریزے سب برابر ہوں اور اگر اس کی یہ ذہنیت نہیں تو شہر کوفہ کا ایک کتا ہزار صوفیوں سے بہتر ہے۔

بقاء مذہب پردۂ خفا میں

لاتلقوا بایدیکم الی التہلکۃ

نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی — بگڑنے میں بھی زلفِ اُس کی بنا کی

ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے مقصد کی تکمیل اور انسان جو تحریک اٹھائے اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ خود میدانِ عمل میں آکر کام کرے اُس وقت فرائض کی ادائیگی ہو۔ اگر چھپ کر وہی خدمات انجام دے تو بھی تحریک بار آور ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر نباتات جمادات حیوان ہر طبقہ میں قوتِ نامیہ کو دیکھو وہ دانہ جو آج زمین کا پردہ چاک کر کے رونیدہ ہوا ہے دیکھتے دیکھتے پودا ہوا مگر قوتِ نامیہ کو باصرہ نے نہ دیکھا سطحِ زمین میں کوہستانی شکل پیدا ہوئی اور ایک مدت کے بعد پہاڑی نظر آئی مگر حجری عنصر کے بڑھانے والے کو کسی نے نہ دیکھا چوپایہ جانور پیدائش اور شکمِ مادر سے

برآمد ہونے کے بعد اتنا سبک ہوتا ہے کہ ضعیف الخلقت انسان اس کو گود میں لے سکتا ہے مگر قوتِ نمو کے کمال پر وہ اسی انسان کی سواری بن سکتا ہے اور چھوٹے سے بڑے کرنے والی طاقت کو کبھی کسی نے نہ دیکھا۔ انسان خود اپنے جسم میں حقیقتِ روح کو نہ دیکھا اور دل کا جذبہ حکمرانی کسی نے دریافت نہ کیا۔ ایسی لاتعداد مثالیں دیکھ کر تجربہ نکلتا ہے کہ ظاہر رہ کر زندہ رہنا اور باطنی زندگی دونوں برابر سے ممکن ہیں۔ دنیا کے طول وعرض نے زمین کے نشیب وفراز فضا کے چکر میں بے شمار ذی حیات ایسے ہیں جو بغیر خوردبین نظر نہیں آسکتے اور ہم اُن کے وجود کے منکر نہیں ہیں ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا تارِ نظر بہت زیادہ طاقتور تھا۔ انہوں نے موجودہ سائنس کے عرصۂ وجود میں آنے سے پہلے دیکھا اور مولا نے کائنات کی تسبیح پڑھی سبحان اللہ خلق مایریٰ وما لایریٰ۔ پاک ومنزہ ہے وہ پیدا کرنے والا جس نے نگاہ کے سامنے گذرنے والی چیزیں بھی پیدا کیں اور وہ کائنات بھی خلق کی جو شرمندۂ بصر نہیں ہے۔ ان مطابق فطرت اصول پر رہ کر جب فرقہ شیعہ کو زندگی میں خطرات کا سامنا ہوا تو منظرِ عام سے ہٹ گئے مگر کردار کو نہ بدلا۔

سیرتِ علیؑ

یہ تعلیم بھی حضرت امیر المومنینؑ سے حاصل کی دوسرے انسان کے لباس میں کام کیا۔

الموفق ابن احمد خوارزمی جنگِ صفین کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ لشکرِ معاویہ کریب بن ابرہہ نکلا یہ آل ذی یزن ایک بہادر گھرانے کا مہیب صورت سپاہی تھا۔ اور طاقت کا یہ حال تھا کہ درہم و دینار چٹکی سے مل کر نقش و نگار مٹا دیتا تھا۔ اس کی بہادری پر معاویہ کو ناز تھا میدان میں آنے کے ساتھ اعلان کیا کہ اس کے مقابلہ کو خود علیؑ آئیں تو برابری کا ہو۔

فوجِ خدا سے مرقع[1] بن اضاع اور شرحبیل[2] بن بکر اور حرث[3] بن حلاج شیبانی کو یکے بعد دیگرے شہید کیا موخرالذکر شہید زہد و تقویٰ میں ممتاز اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے جب انس کو اس بدبخت نے شہید کیا۔

لما قتلوا اجمیعاً فدعی علی ابنہ العباس وکان تلماً عاملاً من الرجال فامرہ بان ینزل من فرسہ وینزع ثیابہ نفعل فلبس علیؑ ثیابہ ورکب فرسہ والبس ابنہ العباس ثیابہ واسعبہ فرسہ۔

(مناقب اخطب خوارزم مخطوطات ع۹۹ کتبخانہ جناب ممتاز العلماء)

اس موقع پر حضرت نے اپنے فرزند عباس کو جو قد و قامت میں کم نہ تھے پکارا اور حکم دیا کہ گھوڑے سے اتریں اور کپڑے اتار دیں عباس نے تعمیلِ حکم کی آپ نے فرزند کے کپڑے پہنے اور اپنا لباسِ جنگ عباس کو پہنایا اور اپنے گھوڑے پر سوار کیا۔ یہ بیان نوادرات میں ہے۔

(۲) دوسرا واقعہ جناب امیرؑ کے عبداللہ ابن عباس کے لباس میں جنگ کرنے کا ہے جس کو متاخرین علماء شیعہ میں شیخ جعفر شوستری علیہ الرحمہ المتوفی سنہ ۱۳۰۳ھ نے بیان کیا ہے۔

اثبات عبہا مروی آنحضرت سلام اللہ علیہ باین حد بود کہ اگر در یک محلے بود حملہ براوی کرد وتمام انس وجن وغیرہ از محل خود حرکت نمی کرد بیک وقتے در جنگ صفین حضرت لباس ابن عباس را پوشیدہ بجنگ رفت لبسیار سے را کشت معاویہ گفت ابن عباس غلت

اطلاع :- اس صفحے سے جو نمبر دیئے جا رہے ہیں وہ حوادث اور شیعوں کی قربانیوں کی تعداد بتائیں گے۔

ابن عباس ایں قدر شجاعت ندارد گفتند در جوابش کہ ہماں ابن عباس است معاویہ گفت بخواہید بداینید ابن عباس ایں قدر با قوت نیست لشکر یک دفعہ حرکت کنند پس ہمہ لشکر یک دفعہ حملہ کردند بسوئے او و حضرت در ہماں مکان خود ایستاد و حرکت نکرد۔ لشکر دانستند کہ حضرت امیر المومنینؑ است۔

اب رہا ثبات قدم اور پامردی اُن حضرت کی تو وہ اس حد پر تھی کہ اگر وہ اپنی جگہ پر رہیں اور تمام جن و انس متحد ہو کر اُن پر حملہ کریں تو اپنی جگہ سے حرکت نہ کریں۔ صفین میں ایک وقت آپ نے ابن عباس کے کپڑے پہن کر لڑنا شروع کیا اور بہت سے سپاہی قتل کیے معاویہ نے کہا یہ ابن عباس نہیں ہیں ابن عباس اِس قدر بہادر نہیں ہیں۔ لوگوں نے کہا ابن عباس ہیں۔ معاویہ نے کہا کیا چاہتے ہو کہ دیکھو یہ قوت ابن عباس کی نہیں ہے۔ پورے لشکر کو حملہ کرنے کا حکم دیا آپ ساری فوج کے حملہ کرنے پر بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹے اس وقت ہر شخص نے پہچانا کہ یہ ابن عباس نہیں ہیں۔

فرقہ شیعہ کا خوفِ دشمن سے چھُپ کر زندگی بسر کرنا

یہ تو ایک جنگی ضرورت تھی کہ آپ مصالح حرب و ضرب کے تحت میں دوسرے کے لباس میں کام کرتے رہے لیکن اس روّیہ سے آپ نے یہ تعلیم بھی دی کہ وقتِ ضرورت انسان پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ فرقہ شیعہ نے اپنے تئیں چھپایا اور بنی امیہ و بنی عباس کی خون آشام تلواروں سے بچاتے ہوئے جنگلوں کو آباد کیا۔ شہری زندگی چھوڑ کر

ؔ فوائد المشاہد بنتیجۃ المقاصد مجلس ۹ صفحہ ۸۱، ۸۲ طبع بمبئی ۱۳۲۶ھ

دیہات میں سکونت اختیار کی۔ فقیروں کے بھیس میں نظر آئے، صوفیوں کا لباس پہنا۔ عرب کی زمین تنگ ہوئی تو عجم پہونچے اور وہاں بھی باطل نے گلا گھونٹنا چاہا تو ہندوستان کی طرف آئے۔ شاہزادہ عبدالعظیمؑ اکابر شیعہ میں ایک مشہور ہستی ہیں جن کا مزار مملکت ایران میں ایک سربلند عمارت کی صورت میں زیارت گاہ خلق ہے امام حسنؑ کی اولاد میں تھے اور صرف چار پشت کا فاصلہ تھا۔ عبدالعظیم بن عبداللہ بن علی بن حسن بن زید بن حسن بن علی ابن ابی طالب۔ ظالم حکومت کے خوف سے آوارہ وطن ہوئے آپ کی پُر درد حالت کو شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ المتوفی ۱۳۵۹ھ حسب ذیل الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں :-

در رجال کشی نجاشی است کہ حضرت عبدالعظیم از سلطان زمان خویش ترسید و گریخت و در شہرہا گردش می کرد بعنوان آنکہ قاصد و پیک است تا بری آمد و مخفی شد در سرداب و عبادت خدای کرد و روزہا روزہ می داشت و شب ہا نماز بالیستاد حتیٰ بیمار گشت۔ مرد و روزہا روزہ می داشت و شب ہا نماز بایستاد حتی یراکمی و اصل گشت شیعیان او را میتہ کردند کہ غسل بدہند در جیبش رقعہ یافتند کہ در آنجا نسب شریف خود نوشتہ۔

بادشاہ کے خوف سے بھاگے اور شہروں میں پھرتے رہے۔ چٹھی رساں کی صورت میں یہاں تک کہ رے میں داخل ہوئے اور سرداب والوں میں رہنے لگے ؎

ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے
بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے

ل مفاتیح الجنان ص۲۰۰ طبع نجف اشرف ۱۳۵۷ھ

سفر میں بھی عبادت الٰہی ترک نہ کی دن کو روزہ رکھتے تھے راتیں نماز میں بسر ہوتی تھیں۔ اسی شغل میں مدت کے بعد بیمار پڑ کر انتقال کر گئے وقت غسل جو کپڑے اتارے گئے تو جیب سے کاغذ برآمد ہو کر نام و نشان معلوم ہوا۔

یہ تھا فرقہ شیعہ کی زندگی کا صرف ایک پہلو جس پر شروع میں مختصر طور پر اشارہ کیا گیا ہے امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کا بہادرانہ پہلو اُن کے شیعوں کے لیے مظلومانہ زندگی بسر کرنے کا درس تھا اور جن سے پہلے انبیاء کی مشکلات حل کیں جس کے ذاتی کمالات پر امم سابقہ کی آواز ہے

ھُوَ الذی ایدہ اللّٰہ بہ النبیین سرًّا وایّد بہ محمدٌ اجھرًا۔

یہ وہ ذات ہے جس نے ہمیشہ انبیا کی نصرت در پردہ کی اور پیغمبرؐ اسلام کی تائید میں رہ ظاہر بظاہر آیا۔

مجنون بن کر زندگی بسر کرنا

روشن دلوں کو بادِ حوادث سے کیا گزند
مرمر کے گل ہوا نہ چراغ آفتاب کا

دیوانہ بنکر زندگی بسر کرنا

ایک سخت باب ہے جس کو پردۂ خفا میں رکھنا تاریخی خیانت ہے۔ یہ ذکر اُس ظلم آفریں دور کا ہے جب متوکل نے مظلوم کربلا کی قبرِ مطہر کو دریا کاٹ کے

سلہ مدینۃ المعاجز صــ۱۹۰ طبع ایران

بے نشان کر دینا چاہا اور جو زیارت حسینؑ کا ارادہ کرے اس کے قتلِ عام کا حکم دیا۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ المتوفی ۱۱۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں :۔

(۱) ایں خبر بہ زید مجنون رسید کہ شیعہ بود برائے مصلحت وقت اظہار دیوانگی میکرد کہ ہر سخنے حقے کہ خواہد بگوید و کسی معترض او نشود و از استماع ایں خبر بسیار محزون گردید دراں وقت در مصر بود و از آنجا متوجہ زیارت آنحضرت شد بادیدہ گریاں و دل بریاں چوں بکوفہ رسید بہلول دانا را دراں جا دید و نیز در کمال و دانائی بود برائے اختیار دین حق از شر مخالفان و بہ پناہ دیوانگی گریختہ بود

(جلاء العیون)

ترجمہ :۔ جب یہ خبر زید مجنون کو پہنچی وہ چونکہ شیعہ مومن تھے اور مصلحتاً اظہار دیوانگی کرتے تھے کہ ہر سخن حق کہہ دیا کریں اور کوئی ان کا معترض نہ ہو سکے اس خبر کے سننے سے بہت محزون و غمگین ہوئے اور اس وقت آپ مصر میں تھے پس وہاں سے بادیدۂ گریاں و دل بریاں متوجہ زیارت قبر شریف امام حسینؑ ہوئے جب کوفہ میں پہنچے بہلولؒ دانا کو وہاں دیکھا اور یہ بھی عقیل و دانا و کامل تھے دین حق کی حفاظت اور شرارت و ایذا رسانی مخالفین سے پناہ میں رہنے کے لئے بظاہر دیوانگی اختیار کی تھی۔

(۲) ملا محمد رفیع واعظ تحریر کرتے ہیں :۔

بعضی دیوانگی بہلول را بدیں وجہ نوشتہ اند کہ ہارون الرشید

سلہ الدمع المتون ترجمہ جلد دوم مطبع جعفری صفحہ ۲۲۲

پس برائے حفظ ملک شوم خود دائم درمقام دفع حضرت امام موسیٰ کاظم بود چوں پیوستہ در کمین قتل آں سالار دین نشستہ جستجوئے بہانہ می نمود تا آنکہ حضرت را بادعائے خروج متہم ساختہ از مفتیان آں زمان کہ یکے از انجملہ بہلول بود بر اباحت قتل آں حضرت استفادہ نمود دیگراں فتویٰ دادند بہلول بخدمت امام علیہ السلام رفتہ واقعہ عرض نمود دراں باب استدعائے چارہ و سوال طریق مفرے نمود آں حضرت فرمود کہ بر دیوانگی زن و خود را آگنجیتہ مہابین وقار و انا بہلول بہ تعلیم و ارشاد امام واجب الانقیاد علیہ السلام برکوچہ دیوانگی زدہ خود را از غرقاب ہلاک بساحل نجات رسانید۔[1]

ترجمہ:۔ بعض مورخین نے بہلول کی دیوانگی کا سبب یہ بتایا ہے کہ ہارون رشید اپنی سلطنت کی حفاظت کے لئے ہمیشہ امام موسیٰ کاظمؑ (کے روحانی اقتدار سے) بچنے کی فکر میں رہا اور آپ کے قتل کا بہانہ ڈھونڈتا رہا یہاں تک کہ حکومت پر خروج کا الزام عائد کرکے اس زمانہ کے فتویٰ دینے والے عالموں سے امام کے قتل کی اجازت حاصل کی اور بہلول بھی اس زمانہ کے عالموں میں تھے۔ انہوں نے باطل کی حمایت سے پہلے امام ہفتم سے حالات بیان کئے اور آپ نے فرمایا مجنون ہو جاؤ اس صورت سے ان کا فتویٰ قابلِ اعتماد نہ رہا اور وہ اپنے تئیں بحر ہلاکت میں ڈوبنے سے بچا کر ساحلِ نجات تک پہونچ گئے۔

---

[1] الدمیع المتون ترجمہ جلد دوم طبع جعفری ص۲۲۱ مدثہ ابواب الجنان طبع نولکشور جلد اوّل

ابوہذیل علاف کا ایک مجنون سے مکالمہ

یہ فرقۂ معتزلہ کا ایک نمودار شخص ہے جس کو اہل علم نے شیخ المعتزلہ کی لفظ سے یاد کیا ہے۔ اُن کا پھا جنہ ابو اسحٰق ابراہیم بن یسار نظّامی نمودار شخص ہے۔

اثبات مطلوب میں یہ تیسرا شاہد ہے جس کے پیش کرنے سے پہلے قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ زبیدہ اور بہلول کے وقت تک تو نام نہاد اسلامی حکومت کا یہ رویہ تھا کہ ان دونوں کو آزاد رکھا مگر مامون کا وہ دور جس کو سنیت تماز طبقہ نے علمی دور اور سیاسی ارتقا کا عہد قرار دیا ہے اس ظالم حکومت میں پاگل بھی سزایاب ہوتے تھے۔ مندرجہ ذیل واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک ظلم پرور واقعہ ہے جس کے صرف ترجمہ پر اکتفا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ علم دوست افراد اصل کتاب سے مطابق کریں اور یہ فیصلہ کریں کہ فرقہ شیعہ نے کس طرح اپنے مقصد کو محفوظ رکھا۔

ابوہذیل علاف کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مامون کے ہمراہ رقہ کا سفر کیا۔ دریائے فرات ہماری کشتی کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے راستہ طے کر رہا تھا کہ اتفاق سے ہم ایک دیر کے قریب ہو کے گذرے۔ لوگوں نے ہم سے کہا کہ اس دیر میں ایک پاگل ہے جس کی باتیں عاقلانہ اور حکمت آمیز ہوتی ہیں۔ مجھے اس سے ملنے کا شوق پیدا ہوا اور میں قریب گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک پاکیزہ اور وجیہہ شخص ہے جس کی زبان میں فصاحت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور وہ مقید و اسیر ہے

ملہ اوائل المقالات صفحہ ۱۲۱ طبع تبریز

میں نے جب اُسے دیکھا تو سلسلۂ کلام یوں شروع ہوا۔

علاف:۔ سلام علیکم۔

پاگل:۔ وعلیکم السلام۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم اس شہر رقہ کے بے وقوف اور کم عقل باشندوں میں سے نہیں ہو۔

علاف:۔ ہاں ایسا ہی ہے میں عراق کا رہنے والا ہوں۔

پاگل:۔ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں لہٰذا جو کچھ کہتا ہوں اُسے غور سے سُنو۔

علاف:۔ کہیئے میں تیار ہوں۔

پاگل:۔ مجھے یہ بتایئے کہ رسولؐ نے (اپنی خلافت کے متعلق) کوئی وصیت کی تھی؟

علاف:۔ ایسا تو نہیں ہوا۔

پاگل:۔ پھر حضرت ابوبکر صاحب بغیر ان کی وصیت کے جانشین کیونکر ہو گئے۔

علاف:۔ یوں جانشین ہوئے کہ مہاجرین و انصار نے ان کو اس منصب کے لئے اختیار کیا اور لوگ اس پر راضی ہو گئے۔

پاگل:۔ مہاجرین نے کب اجازت دی، زبیر بن عوام اور عباس نے تو یہ کہا کہ ہم سوا علیؑ کے کسی ایک کی بھی بیعت نہ کریں گے۔ رہ گئے انصار، یہ کہتے تھے (اگر یوں ہی ہے) تو ایک شخص ہم میں سے امیر ہو اور ایک تم میں سے اور یوم سقیفہ سعد بن عبادہ کے لئے یہ امر انصار کی طرف سے چاہا گیا جس پر حضرت عمر نے کہا کہ "سعد کو قتل کر ڈالو خدا اسے قتل کرے" رہ گئی لوگوں کی رضا، یہ تم کیونکر کہتے ہو لوگ اس انتخاب

پر راضی ہوئے حالانکہ سلمان فارسیؓ کہہ رہے تھے کہ "کردید ونا کردید" تم نے کیا جو کچھ کیا اور جو کچھ بھی نہ کیا جس پر ان کی گردن کو ایذا پہنچائی گئی اور سنئے ابوسفیان (جو لوگوں میں داخل تھا) وہ بھی اس امر پر راضی نہ تھا جب ہی تو امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے میں بیعت کرتا ہوں اور اگر کہیئے تو ان لوگوں کے خلاف مدینہ پیدل اور سواروں سے بھر دوں اس کے علاوہ بنو ہاشم نے چھ مہینہ تک ابوبکر کی بیعت نہیں کی پھر نہ جب کل مہاجرین راضی نہ تھے نہ انصار اور نہ لوگ اس پر راضی تھے تو اجماع کہاں رہا۔

اس کے علاوہ جب حضرت ابوبکر کو منصب خلافت ملا تو انہوں نے خطبہ پڑھا اس میں حمد وثنا کی اور کہا کہ میں تم پر حاکم مقرر ہوا ہوں اور جانتا ہوں کہ تم سے بہتر نہیں۔ پھر جب ایسا تھا تو فاضل پر مفضول کا تقدم کس عقل کے نزدیک جائز ہے؟

جونہی حضرت عمر تخت خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے کہا "کاش میں ابوبکر کے سینہ کا بال ہوتا یعنی اس قول سے ان کی فضیلت ظاہر کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت ناگہانی تھی جس کے شر سے خدا نے اُمت کو بچایا۔ (یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں)

اس گفتگو کے بعد مجنوں نے ہر خلافت کے ابطال میں گفتگو شروع کی اور حضرت ام المومنین بی بی عائشہ کے بارے میں سوال کیا۔

مجنوں :۔ اچھا اب عائشہ کے متعلق بتائیے کہ عثمان کے خلاف لوگوں کو ابھارتی اور (یا علان) کہتی تھیں کہ نعثل کو قتل کر ڈالو خدا اسے قتل کرے (یا تو یہ رنگ تھا) اور جب حضرت علیؑ حاکم ہوئے تو یہ کہتی تھیں

کہ کاش آسمان زمین پر پھٹ پڑتا اور ضبط کینہ نہ کر کے میدانِ جنگ میں طلحہ و زبیر کے ساتھ آگئیں باوجود اس کے کہ حکم الٰہی "ازواج نبی اپنے گھروں میں بیٹھو اور جاہلیت کی زینت نہ اختیار کرو" روک رہا تھا جب حضرت عثمان قتل ہوگئے تو مسلمان اور صحابہ حضرت علی کی طرف دوڑ پڑے کہ ان کی بیعت کریں حضرت امیرؑ نے انکار کیا (توم متغیر ہوئی) اب ذرا مجھے بتایئے کہ کونسی خلافت مضبوط ہے جس میں سعد بن عبادہ سے حاضرین دست و گریبان ہوئے اور مسلمان کی گردن میں چوٹ آئی یا وہ کہ جس میں لوگ خود دوڑتے ہوئے آئے۔

علاف کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں بالکل مبہوت اور متحیر ہوگیا اور مجھے کوئی جواب دیتے نہ بن پڑا۔ بلکہ سکوت کے عالم میں کھڑا تھا کہ اس نے کہا۔

مجنون :۔ کم سے کم کتنے مال کی چوری میں ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم ہے ؟

علاف :۔ چوتھائی دینار۔

مجنون :۔ جس کے ساتھ تم آئے ہو اس نے تمہیں کیا دیا ؟

علاف :۔ پانچ سو دینار۔

مجنون :۔ اس حساب سے جس حساب سے کہ تم نے دینار لئے ہیں چاہیئے کہ تمہارا عضو عضو کاٹ ڈالا جائے۔

علاف :۔ کیوں ؟

مجنون :۔ اس لئے کہ تم نے مسلمانوں کے مال کی چوری کی۔

علاف :۔ مجھے تو خلیفہ نے دیا ہے اور اپنے مال سے دیا ہے۔

مجنون :۔ خلیفہ کے پاس کہاں سے آیا مال خدا کا ہے اور سارے

مسلمانوں کا خدا کی قسم وہ دوا جو پاگل پن کے دفع کرنے کے لئے مجھے سنگھائی جاتی ہے وہ تم ایسوں کو سنگھائی جانا چاہیئے اور یہ قید جو میرے لئے ہے تمہارے لئے ہونا چاہیئے کیونکہ دراصل مجنون تم ہو۔ خلافت یہ گفتگو سن کر وہاں سے چلے آئے۔ اور مدتوں خجالت رہی۔

افسوس کہ مخاطب کا تو صفحۂ تاریخ پر نام موجود ہے مگر متکلم کا نام پردۂ خفا میں ہے۔ اور صرف مجنون کہہ کر اس کی حکیمانہ گفتگو درج کی ہے۔ زید مجنون ہوں یا بہلول دانا یا خود یہ مردِ عاقل اس کی تسکین کے لئے کافی ہے کہ ناقدر شناس دنیا فخرِ کائنات رسولؐ کو مجنون کہتی تھی اور حضرت امیرؑ کی شان میں بھی اس صفت کا پایا جانا راویانِ حدیث ظاہر کرتے ہیں۔ رسولؐ نے فرمایا ہے:۔

لا تسبّوا علیّاً فانّہ ممسوس فی ذات اللہ۔

علیؑ کو برا نہ کہو وہ معرفتِ الٰہی میں از خود رفتہ ہیں۔

یہ روایت حلیۃ الاولیاء اور فردوس الاخبار کتب اہلسنت کی ہے۔

حفاظت کا ایک غیبی سامان

ملتِ جعفریہ کا پُرخطر دور

الدنیا سجن المومن وجنۃ للکافر

ظلم وستم کی چمکتی ہوئی بجلیوں میں فرقۂ شیعہ کو زمانۂ دراز جیل میں

سلہ تذکرہ ابن جوزی المتوفی ۶۵۴ھ خواص الامۃ طبع طہران ص ۲۲

گذرا اور وہ زندان جس کی تاریکی ظلمتِ قبر کو یاد دلاتی تھی جہاں کا ہر گھنٹہ موت کی تصویر تھا مگر قیدیوں نے خدا کی یاد نہ چھوڑی ؎

دل دہلتے نہیں زنداں میں گرفتاروں کے
بیڑیاں ڈھونڈتی ہیں پاؤں وفاداروں کے

کتنے نفوس رشتۂ حیات قطع کر کے نکلے کتنوں کی بیڑیاں مرنے کے بعد کاٹی گئیں۔ رضی الملّت والدین جمال العارفین سیّد علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن محمد الطاؤس العلوی الفاطمی المتوفی سنہ ۶۶۴ھ تحریر فرماتے ہیں:۔

اسر[1] رجل بارض الروم فقام فی آخر اللیل فصلی رکعتین ثم دعا فبعث اللہ عزوجل لہ ملکاحتیٰ صیرہ فی حیاتہ مع رفقائہ۔

شخصے در زمین روم اسیر شدہ بود پس برخواست در آخر شب و دو رکعت نماز کرد و دعا خواند پس فرستاد خداوند ملکے را تا آنکہ برداشت او را و فرود آورد او را نزد رفقائے او۔

سیّد علیہ الرحمہ کی دوسری کتاب مجتبیٰ میں کمل بن مسعود زاہد طرسوسی کے بیان میں ہے کہ اس رومی شیعہ کی ۳۰ سال قیدِ سخت کا ذکر ہے اور یہ زیادہ ہے کہ مرد شیعہ نے منت مانی تھی کہ اگر میں قید سے رہا ہوا تو پیادہ حج کروں گا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک سفید پرند قید خانہ کی دیوار پر بیٹھا ہے اور بزبان فصیح دعا پڑھ رہا ہے۔ قیدی نے عالمِ رویا میں دعا یاد کر لی اور اس دعا کی تلاوت سے تیسرے دن قید سے رہا ہو گیا

---

[1] مہج الدعوات و منہج العنایات طبع بمبئی ص۲۷۸

دونوں دعاؤں میں کافی اختلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ دو شخصوں کا ہے۔ موخر الذکر دعا کو دعائے طائر رومی سے دعا کی قدیم اور معتبر مصادر میں یاد کیا ہے مصباح کفعمی اور ظہیر اللاجین و امان المتقین میں یہ واقعہ من وعن موجود ہے اور قیدی نے اپنی دعا میں جہاں حضرت موسیٰؑ کا ذکر کیا ہے اس محل پر تابعین موسیٰ کو شیعہ کے لفظ سے یاد کیا ہے :-

انت الذی فلقت البحر لبنی اسرائیل حین ضربه موسیٰ بعصاه فانفلق فکان کالطود العظیم حتٰی مشی علیه وشیعته

"تو وہ ہے جس نے دریا کو بنی اسرائیل کے لیے شگافتہ کیا جبکہ موسیٰ نے اپنا عصا دریا پر مارا اور دریا پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا گویا ہر ٹکڑا ایک پہاڑ تھا یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ اور ان کے شیعہ گذر گئے۔" (جنتہ الواقیہ)

پہلی صدی ہجری

۶۲۲ء تا ۷۱۸ء

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہجرت رسولؐ سے پہلے مسلمانوں کو شیعیت کا تعارف ہو چکا تھا اور جہاں رسول پر وطن کا احوال سخت ثابت ہوا، وہاں گروہ شیعہ بھی کفار قریش اور حسد پرور مسلمانوں دونوں کے زیر دست طاقتوں

کا اشعار ہوا اور ذاتِ پیغمبرؐ کے ترکِ وطن کے بعد اس جماعت کو بھی اپنا دیس
چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا لہٰذا اس زندگانی سے قطع نگاہ کرنے کے بعد جو
تشیع نے مکہ میں حاصل کی تھی آپ سے سنہ ہجری شروع ہونے پر
تاریخ شیعہ کا پہلا دَور قرار دینا پڑتا ہے۔ قانونِ اسلام تمام دنیا کے مذاہب
سے کامل تر ہے اور جو ضروریاتِ زندگی پر حاوی ہے کوئی چھوٹی اور بڑی
ضرورت باقی نہیں ہے جس پر کتاب اور سُنّت نے تبصرہ نہ کیا وہ فرقہ جو
مظلوم زندگی بسر کرنے والا ہو اس کے لئے سب سے زیادہ جس قانون کی
ضرورت تھی وہ اظہارِ ظلم کی اجازت، نوحہ وشیون کا حکم، مصیبت کے مواقع
پر تعزیت انسانی فریضہ ہے یا نہیں۔ ان مسائل پر پیغمبرِ خدا نے اپنی عمر شریف
میں زیادہ سے زیادہ بحث کی اور جو دلیل و برہان حکمت آفرینِ احادیث
میں ودیعت فرمائے وہ قوانینِ معاش معاد (شریعت) کی طرح بہت ضروری
تھے حق و باطل کا فیصلہ ظالم و مظلوم کی شناخت مستقبل میں اسی پر موقوف تھی
چنانچہ مرنے والوں پر گریہ اسلامی شخصیت کے مفقود ہونے پر اشکبار ہونا
حضرت عثمان بن مظعون علیہ الرحمہ کی رحلت سے ثابت ہو چکا تھا اور
پسماندگان سے اس فطری حق کو مُرسل ہادی نے سلب نہیں کیا بلکہ پیغمبر سمجھتے ہوئے
کا تقاضہ تھا کہ وہ معزز اصحاب کی موت پر اظہارِ غم والم فرمائیں اور جماعت
سے بلند شخصیتوں مثلاً حضرتِ حمزہؓ اور جعفر طیارؓ کی جگر پاش شہادت پر
رسم تعزیت کی بنیادیں مستحکم کر جائیں سردارِ جوانانِ جنان امام حسنؑ اور امام حسین علیہما السلام
کی خبرِ شہادت پر خصوصی تاثرات مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ ہوئے بلکہ پہلا۔

تعزیہ | کربلا کی مقدس زمین کے ذرات دستِ عصمت سے باعجاز سمٹ کر

حضرت ام سلمہؓ کو دیئے گئے اور تعزیہ رسولؐ کے ہاتھ سے انہیں کے گھر میں رکھا گیا۔ دنیا نے تدریجی ترقی کی اور ہر کامل نمونہ اپنے آغاز میں نہ صرف ناقص بلکہ ایک خاکہ سمجھا جاتا ہے۔ ہزار برس پہلے انسان پہاڑیوں کے کھوؤں میں رہتا تھا اور اب بلند قصر خوبصورت عمارتوں میں فرد کش ہے۔ صدہا برس پہلے کاغذ کیا ہوتا تھا۔ بنا ہوا کپڑا کس شان کا تھا وغیرہ وغیرہ۔ حضرت ام سلمہ نے جو ام المومنین تھیں شیشہ میں اس مٹی کو رکھ کر کم و بیش پچاس سال حفاظت کی۔ یہ تعزیہ ضریح کا پہلا ڈھانچہ تھا جس کی بنیاد میں وہ دست مبارک شریک تھا جس کو قرآن حکیم نے ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی کی ابدی عزت دی ہے۔ عہد رسولؐ میں رونے والوں کو نہ کسی نے روکا نہ تعزیت میں کسی نے عذر کیا۔ جعفر طیارؓ کی حاضری بیت اشرف رسالت سے مکمل اندوہ کے ساتھ بیوہ عورت اور یتیم بچوں تک لائی گئی اور شیعہ شادی اور غم کے مواقع میں رسالتؐ کے زیر سایہ شاندار زندگی بسر کرتے رہے اور بدر سے حنین تک شیعیت عروج حاصل کرتی رہی۔ تشیع کا آخری فروغ اسامہؓ کی علمداری تھی جس کو باطل نے نظر عناد سے دیکھا۔

۱۰ ربیع الاول ۱۱ھ ہفتہ کے دن پیغمبر خدا صلعم نے اپنے اصحاب

---

۱ احمد ابو نعیم بیہقی وغیرہ علماء اہلسنت نے اعتراف کیا ہے۔ ینابیع المودۃ صفحہ ۳۱۹ طبع استنبول میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

۲ مشکوٰۃ المصابیح طبع بمبئی ۱۲۷۰ھ صفحہ ۹۹ از شیخ ولی الدین محمد ابن عبداللہ الخطیب التبریزی۔ ۳ بلوغ المرام من ادلۃ الکلام قاضی ابوالفضل احمد بن علی بن محمد کنانی عسقلانی مصری المعروف بہ حافظ ابن حجر صفحہ ۱۲۲ طبع مجتبائی دہلی ۱۲۹۹ھ۔ ۴ مناقب ترمذی کشفی صفحہ ۲۹۲ طبع بمبئی

میں اسامہ نامی جوان کو لشکر کشی کے لیے حکم دیا اور اعلان عام فرمایا کہ جوان کی قیادت سے بچھڑ جائے وہ رحمت خدا سے دُور ہے۔

۲۸ صفر ۱۱ھ وہ قیامت خیز دن تھا کہ چراغ ہدایت و رسالت گُل ہوا۔.......... زہر دینے پر کئی روز کے تیز بخار میں وفات واقع ہوئی اور آخری لمحات زندگی میں بھی آپ اہلبیتؑ کو اپنا سرمایۂ زندگی ظاہر فرماتے رہے اور بستر مرض پر صاف الفاظ میں فرما دیا کہ قرآن و عترت دو چیزیں ہیں جن سے وابستہ ہونا گمراہی سے بچائے گا۔ اگر ان کا ساتھ چھوٹا تو قعر ضلالت ہے تشیع نے گیارہ برس تک کسی قدر آرام و آسائش کی سانس لےکر فروغ حاصل کیا۔ وفاتِ نبیؐ کے بعد تشیع کا سب سے بڑا پشت پناہ نہ رہا اور راحت ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئی۔

رسولِ عربی کی وفات سے پہلے غدیر میں اعلانِ خلافت اور تکمیل دین ہو چکی تھی مگر کچھ شورش پسند مسلمانوں نے ایک جگہ جمع ہو کر رسولؐ کے دفن و کفن سے پہلے اپنا خلیفہ خود بنا لیا اور آپس کے کافی اختلاف کے بعد خلافت رسولؐ کا محترم منصب غیروں کے پاس پہونچ گیا۔ اس دست تعدی کا خاتون جناں کو بہت زیادہ صدمہ تھا اور رسول زادی نے باپ کے غم میں ہمہ وقت گریہ و بکا کے سوا باقی حصۂ زندگانی میں صرف ایک مرتبہ تبسم فرمایا جب وہ

شبیہ تابوت

اسلام کی معزز خاتون اسماء بنت عمیس[1] کے ہاتھ سے بن کر تیار ہوئی۔ آپ کو اپنی وفات کا یقین تھا اور چاہتی تھیں کہ عام عورتوں کی طرح جنازہ اٹھایا نہ جائے۔ اسماء نے نقل تابوت

---

[1] تفسیر بحر محیط ص۴۴۹ ج ۷۔

بنا کر پیش کی اور وہ معصومہ مسکرائیں لبضعۃ الرسولؐ کی استحسان آمیز نگاہ رضائے باری کے مترادف تھی اور آنے والی نسل کو بتا دیا کہ شبیہ تابوت بنانا بدعت نہیں ہے۔ حضرت فاطمہؑ کی وفات قنفذ غلام کی ضرب سے واقع ہوئی اور یہ خلافتِ اوّل کا سب سے بڑا حادثہ ہے۔ یہ وہ حقائق ہیں جس پر کتب کلام میں اہلِ قلم نے دفتر سیاہ کر دیئے ہیں۔ مالک بن نویرہ بیگناہ کا قتل اور حکومت کا دستِ ظلم حدیث ساز جماعت کا آلِ رسولؐ کے خلاف حدیثیں گھڑنے میں معروف ہونا ناقابلِ انکار واقعات ہیں۔ اسی طرح عہدِ اوّل گذرا اور خلیفۂ وقت نے اپنے اقتدار سے فائدہ اٹھا کر مرتے وقت دوسرے شخص کو خود نامزد کیا اور خلافتِ ثانی کی بنیاد قائم ہوئی۔ مگر ہر دو عہد میں مسلمانوں کی اکثریت نے بارہا مشاہدہ کیا کہ سخت اوقات علمی اختلافات شرعی مسائل وغیرہ میں خلفاء کی جبینِ نیاز باب مدینۃ العلم کے روبرو خم ہوتی تھی

فنِ تاریخ کی تاسیس

جب ہوئی اس میں بھی امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کا حکم کارفرما ہوا مسلمان چاہتے تھے کہ اسلامی سنِ وفاتِ رسولؐ یا بعثت سے شروع ہو آپ نے ہجرت سے ابتداء کئے جانے کا مشورہ دیا اور بلا اختلاف[1] اسلامیان عصر نے اس کو پسند کیا۔ تاریخ ہجری علوی احسان ہے جو ۱۶ ہجری میں ہوا اسی طرح جو فتوحات[2] ہوئیں اس میں بنی ہاشم کے جوان شریک تھے اور ان کی شجاعت نے عرب سے عجم تک داد حاصل کی ساس کے بعد تیسری خلافت[3] بعض مسلمانوں کے شوریٰ

---

[1] نصیر اللغات ترجمہ اردو غیاث از نصیر الدین احمد بن شمس الدین الوی صفحہ ۲۱۲ کالم ۲ سطر ۲۰ چھاپ ۱۹۸۹ء نو لکشور ایڈیشن دہم [2] فتوحات بہنسا۔

سے تیار ہوئی۔ اس پر بھی عام مسلمانوں کا اتفاق نہ تھا۔ اگر سب ایک دل ہوتے تو مسلمانوں ہی کی خانہ جنگی میں عثمان بن عفان قتل نہ ہوتے۔ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو نمایاں عہدوں پر سرفراز کیا۔ عزیزوں کو فروغ دیا۔ اہلِ قبیلہ کی غیر معمولی قدر کی جس کی وجہ سے ہمہ گیر مخالفت شروع ہو گئی۔ آپس کی سازش اور خفیہ ریشہ دوانیاں دیکھ کر داغ کا یہ شعر یاد آتا ہے۔ ؎

دیکھنا رشک اس کی محفل میں ایک کو ایک کھائے جاتا ہے

تیسری خلافت ختم ہونے پر ۱۸ ذی الحجہ ۳۵؁ھ وہ برکت آفرین تاریخ تھی کہ عام مسلمانوں نے جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے بیعت کر لی۔ صرف اولاد ابوسفیان نے جن کے ہاتھ میں شام کی عنانِ حکومت تھی خلافت برحق سے انکار کیا اور دمشق کا خزانۂ عامرہ وقار مذہب کے ختم کر دینے کے لئے وقف ہوا۔ اموی سازشیں رنگ لائیں اور مسلمانوں سے امن و امان رخصت ہو گیا۔ صفین اور جمل کی لڑائیاں ارضِ اسلام کو خون سے رنگین کرتی رہیں۔ ایک اور گروہ خوارج کی صورت میں برسر پیکار ہوا اور نہروان میں ایک سخت لڑائی ہوئی اس کے علاوہ معاویہ کی طرف سے جو چھوٹے چھوٹے حملے اہلِ ایمان پر ہوتے رہے ان کا شمار نہیں۔ حضرت علیؑ کے والی عبید اللہ ابن عباس پر چڑھائی ہوئی۔ وہ یمن چھوڑ دینے پر مجبور ہوئے بسر نامی ایک ظالم نے ان کے کمسن لڑکوں کو ماں[1] کے سامنے ذبح کر دیا اور مسلمان عورتوں کو کفار کی طرح لونڈی بنایا۔

---

[1] جیوڑہ نگار لکھنؤ بابت نومبر ۱۹۵۶؁ء صفحہ ۱۳ بحوالہ اسد الغابہ

آخر کار ۴۰ھ؁ اور ماہِ صیام کو حضرت امیر المومنینؑ شہید ہو گئے۔ ابو الائمہ کی وفات عبد الرحمن ابن ملجم مرادی کی تلوار سے ٹھیک نماز کی حالت اور مسجد کوفہ میں واقع ہوئی اور آپ کو دشمنوں کے خوف میں آبادی سے بہت دور نجف کے ریگزار میں دفن کر دیا۔ مولا خود تو سپردِ خاک ہو گئے مگر ان کے معجز خطبات، زرین مقولے، حکمت آفریں نصیحتیں قوم عرب کے سینوں میں رہ گئیں۔ معاویہ کی کوششوں سے جماعتی اختلاف نے جو بے اعتمادی پیدا کر دی وہ عام مسلمانوں کے لئے سمِ قاتل اور اسلامی یکجہتی کے لئے زہریلی ہوا اور ملک کی ترقی کے لئے دشمنِ جان تھی۔ ان حالات میں بھی اندازہ تھا کہ ظلم روز بروز بڑھتا جائے گا اور جب تک ایک ایک بچہ بھی آلِ رسولؐ میں باقی ہے مشقِ ستم جاری رہے گی۔ اِن صورتوں میں حضرت علیؑ کے جانشین اور مسلمانوں کے دوسرے امام کو کیونکر زندگی بسر کرنا چاہیے۔

این سخن چہ جواب ست تو ہم میدانی

امامتِ حسنؑ کا اساس صبر و سکون اور خاموشی گوشہ نشینی نہ ہوتا تو کیا چارہ تھا۔ حکومتِ شام کے ایماء سے حضرت علیؑ پر جو تبرا ہوتا تھا اس نے اور زیادہ زور پکڑا اور امام حسنؑ قوم کے جمود عنصر وفا کے فقدان سے مرکز آلام قرار پا گئے اور آپ نے چند شرائط پر جس میں حقوقِ ذاتی کا تحفظ تھا صلح کر لی۔ مگر افسوس ہے کہ معاہدہ کی کسی شرط کو پورا نہیں کیا گیا اور مصالح کا عدم و وجود برابر ہو کر آپ کی بی بی جعدہ کی وساطت سے۔

۲۸ صفر ۵۰ھ؁ کو آپ کی بھی شہادت واقع ہوئی اور مرجان

کے حکم امتناعی سے آپ روضۂ رسول میں دفن ہونے نہیں پائے۔ جنازہ پر تیر برسائے گئے معاویہ کی ریاکاری نے اصحاب علیؑ کو بھی زندہ نہ چھوڑا اور تشیع کے سربرآوردہ عناصر چن چن کر قتل کر دیئے جانے لگے۔ حجر بن عدیؓ میثم تمارؓ کا سولی دیا جانا عمرو بن حمق خزاعی کا سر کاٹ کے نیزہ پر بلند کرنا! وہ مظالم ہیں جو پردہ خفا میں رہ نہیں سکے۔ اس جبر و استبداد کے بعد ظالم حکومت کی نظریں صرف حسینؑ ابن علیؑ پر تھیں۔ بھلا اولاد ابوسفیان ان کو چین سے کہاں رہنے دیتی۔ معاویہ ہلاک ہوا اور یزید ایسے بے دین کو اسلامی حکومت تفویض ہوئی۔

سنہ ۶۱ھ گزرنے پر بنی امیہ نے اپنی بے پناہ طاقت سے پیغمبرؐ کے پورے گھرانے کو کربلا میں مہمان بلا کر تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح کر دیا۔ مظلوم کربلا روحی فداہ نے اپنے رجز میں شیعیت کو غیر فانی عزت دی اور فرمایا ہے۔

شیعتنا فی الناس اکرم شیعۃ　　　ومبغضنا یوم القیامۃ یخسر

تمام انسانوں میں ہمارے شیعہ کریم ہیں اور ہم سے کینہ رکھنے والے بروز قیامت نقصان میں رہیں گے۔

زیارت عرب میں قدیم قاعدہ تھا کہ اگر کسی بے گناہ مقتول کی لاش کا طواف کیا جائے تو اس کی مرادیں پوری ہوتی تھیں شہداء کربلا کی زیارت دفن سے پہلے شروع ہو گئی۔ اور چار سو[1] عورتیں ان پاکیزہ جسموں کی زیارت کر کے صاحب اولاد ہوئیں۔ شہادت حسینؑ کے بعد عورتیں

---

[1] موعظۂ حسنہ تاج العلماء علیہ الرحمہ صفحہ ۱۱

اسیر ہوئیں۔ کوفہ اور دمشق کی جیلیں ان روحانی نفوس سے آباد ہوئیں۔ نامعلوم مدت تک قید رہ کر جب رہا ہوئے تو حضرتؑ نے یزید کے پایۂ تخت میں کسی اسلامی مقصد کی ادائیگی کا ارادہ نہیں کیا۔ ضرورت محسوس کی تو۔

مجلس کی یہ وہی مقدس لفظ ہے جو بزمِ رسولؐ کے لیے تفسحوا فی المجالس کے لفظ سے استعمال ہوا تھا۔ اور زبانِ عصمت پر بار بار جاری ہوا۔ عہدِ رسالت میں اس کا انعقاد محتاجِ ثبوت نہیں ہے۔

امام حسینؑ کی حقیقی بہن اور بزرگ خاندان حضرت زینبؑ نے اسلامی مملکت کے بازاروں میں جو زلزلہ افگن خطبات پڑھے تھے اس مقصد کو یزید کی راجدھانی میں پھر دوہرایا۔ شہادتِ امام حسینؑ نے تشیع کے مردہ جسم میں ایک حرکت پیدا نہیں کی بلکہ روح دوڑا دی اور وہ عنصر شیعہ جو کربلا کے پیچھے میدان میں بے دفن و کفن پڑا رہا۔ اس کی تدفین بامجاز امام زین العابدینؑ کے ہاتھ سے ہوئی۔ یہ وہ وقت ہے کہ تشیع کل کا کل ختم کر دیا گیا۔ جابر انصاری رسولؐ کے صحابی نابینا ہونے سے گوشہ نشین رہے۔ ان سے حکومت کو کوئی خطرہ نہ تھا یا چند دوستدار وہ تھے جو پابزنجیر تنگ و تاریک قید خانوں میں پہلے ہی بھیج دیئے گئے اور ان کو شہادت حسینؑ کی خبر نہ تھی۔ ان سے قطع نظر کرنے کے بعد سارا عالم مرتد تھا اور وہی فتنۂ ارتداد تھا جو رحلتِ رسولؐ کے بعد سامنے آیا اور گنتی کے شیعہ اس قابل نہ تھے جو روئے زمین پر باقی رہ سکتے حق کا صرف ایک ترجمان حضرت امام زین العابدینؑ قتل سے باقی رہا۔ یہی مظلومیت رفتہ و حال کا خاموش گواہ تھا اس کو بھی باقی رکھا اور اس کا کلام صحیفۂ کاملہ بھی باقی رہا۔

نوحہ خوانی ایک طبقہ وہ ہے جو امام کے افعال کو مذہب کی روشنی میں

دیکھتا ہے اور ہم آنحضرتؐ کے عمل کی روشنی میں آپ ہی مذہب کو دیکھتے ہیں۔ مدینہ رسولؐ میں داخل ہوتے وقت ام کلثومؑ نے نوحہ پڑھ کر عورتوں کو ماتمداری میں اپنی آواز بلند کرنے کا حق دیا۔

خونِ حسینؑ کا انتقام

عرب میں عموماً قتل ہو جانے کے بعد اس کا عزیز قریب انتقام کے لئے اٹھتا تھا مگر امام زین العابدینؑ نے خلافِ عادت صبر کر کے خلقِ خدا سے سید الصابرین کا لقب حاصل کیا اور مشیت الٰہی نے مظلوموں کا ساتھ دے کر ان بہادروں کو قید سے رہا کیا جو عرصہ سے زنداں میں تھے۔ یہ بکھرے ہوئے موتی پھر تسبیح فاطمہؑ بن کر منظم ہو گئے اور کوفہ کی علم خیز زمین سے ایک بہادر انسان جس کا نام مختار تھا اٹھا اور ابن زیاد اور یزید دونوں کی حیات کی ناؤ ڈگمگانے لگی۔ اس نورانی ارادہ انسان نے اپنے تمام عزائم کی روشنی میں ساری خلقت کے دلوں کو موہ لیا۔ آفتاب انتقام کی شعاعوں نے کچھ ایسی بلا کی تعجب خیز گرمی دکھائی کہ قاتلان حسینؑ کو پھر چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ مظلوم کربلا کے پسماندگان فکر انتقام کو خدا پر چھوڑ کر نوحہ و شیون میں مصروف رہے جو ایک غمزدہ کا فطری حق ہے انہوں نے بہترین شغل زندگی گریہ و بکا قرار دیا تھا۔ توکل کا یہ پھل ملا کہ بے گناہوں کے خون کا انتقام لینے کے لئے ایک بڑی ٹڈی دل فوج پرچم انتقام کے زیر سایہ جمع ہو گئی اور چار پانچ برس کی قلیل مدت میں تمام قاتلان امام کو موت کی نیند سلا دیا اس سپاہ کا ہر مرد میدان اپنے گذشتہ وقار کو ذہن نشین رکھتے ہوئے محو جنگ تھا۔

لما دعی المختار للثار اقبلت کتائب من اشیاع آل محمدؐ

مختار نے جب خونِ شہیداں کا عوض لینے پکارا تو شیعوں کی فوجیں
سمٹ کر بڑھنا شروع ہوئیں۔

اس وقت سے زیادہ خطرناک وقت مذہب پر نہیں آیا۔ امن عرب سے رخصت ہو گیا تھا۔ اور عراق و حجاز میں ہر طرف جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ واقعہ کربلا کے بعد یزیدیت میں سکون نہیں ہوا۔ رسولؐ کے وطن مقدس مدینہ طیبہ پر حملہ ہوا۔ تین دن تک حرم نبیؐ لٹتا رہا۔ رسولؐ کے سات سو صحابیؓ قتل ہوئے۔ ایک ہزار دوشیزہ لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی۔ آخر میں خانہ کعبہ پر حملہ ہوا اور منجنیق سے خدا کے گھر پر پتھر برسائے گئے، پوشش کعبہ آگ سے جلا دی۔ اس دورِ اضطراب پرور کو تاریخ اسلام میں واقعۂ حرّہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس جگر سوز سانحہ کے چالیس دن کے بعد؎

۲؎ سنہ ۶۴ھ ۱۴ ع اکو یزید ہلاک ہوا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے قرآن مجید کو ۳۰ ٹکڑوں؎ میں پارہ پارہ کیا اور مسلمانوں نے اس کی یادگار کو باقی رکھا۔ یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ تخت نشین ہوا جس نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی آل محمدؐ کی حقیقت کا اعتراف کیا اور اپنی حق نوازی سے امویت کو زیر و زبر کر دیا اور مسلمانوں کے روبرو جو پہلا خطبہ پڑھا اس میں اعلان کیا کہ؎۔

اس شخص کے دادا معاویہ نے خلافت میں اس ذات سے نزاع کی

۱؎ ماہنامہ نگار لکھنؤ بابت نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۰ (تاریخ ابوالفداء و جذب القلوب و منہج الکلام۔ ۲؎ العوارث لکھنؤ بابت ماہ شوال ۱۳۳۰ھ۔ ۳؎ حیاۃ الحیوان دمیری جلد اول طبع مصر صفحہ ۵۲ مناظر العجائب شمس العلماء امداد امام صفحہ ۳۷

جوان سے ہر طرح بہتر تھا۔ پیغمبرِ خدا کی قرابت اور عظمتِ فضائل ایمان میں سابق ہونے کی وجہ سے۔

اس اعلانِ حق پر مسلمانوں کا مجمع بڑا برافروختہ ہوا۔ معاویہ کے اتالیق عمر مقصوص پر الزام عائد کیا کہ تم نے اپنے شاگرد کو یہی تعلیم دی تھی اور یہی سکھایا تھا کہ خلافت سے دستبردار ہو جائے۔ تم نے اس کو علیؑ اور اولادِ علیؑ کی محبت سے آراستہ کیا۔ شیعہ اتالیق نے قسم کھا کر کہا کہ بخدا میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کی سرشت میں محبتِ علیؑ داخل ہے۔[۳۰]

صد افسوس کہ اس بیان کو باور نہ کیا اور گرفتار کر کے عمر مقصوص کو زندہ دفن کر دیا اور وہ بے گناہ شہید ہو گئے۔ معاویہ نے مرقومہ بالا جلسہ کے بعد مسلمانوں سے غیبت اختیار کی اور خانہ نشینی میں رحلت کی۔ اقرارِ حق کے بعد وہ صرف چالیس دن[۲] زندہ رہا۔ تاریخ میں اس تاجدار کی زہر خورانی کو قول ضعیف قرار دیا ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ ایسے انصاف پسند کو مادی دنیا کیونکر زندہ رہنے دے سکتی ہے اٹھارہ سال کی عمر عالمِ شباب میں یہ انصاف پرور[۳۱] موت کی نیند سلا یا گیا۔

اشکے کہ راز عشق بگوید لشاندنی است
طفلے کہ خوش محاورہ افتد نماندنی است

ملہ حیوٰۃ الحیوان صفحہ ۵۵ ج ۱
ملہ المنتخبات العزوی طبع فارس صفحہ ۲۲ ۱۹۱۶ء

سنہ ۶۵ھ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے وفات[1] پائی اور نسلِ علیؑ و فاطمہؑ کی بہترین فرد سے دنیا خالی ہو گئی۔

۱۵ رمضان المبارک سنہ ۶۷ھ کو مختار بھی قتل ہو گئے مگر ان کا کارنامہ قیامت تک صفحۂ تاریخ پر باقی رہے گا۔

۲۵ محرم سنہ ۹۵ھ اس صدی کا آخری ظلم وفاتِ[2] امام زین العابدینؑ ہے۔ آپ کی خاموش زندگی کو ولید بن عبدالملک نے زہر دے کر ختم کر دیا۔ یہ ایک شخص کی موت نہ تھی بلکہ وہ چار سو[3] گھر جہاں آپ کی طرف سے خورد و نوش کا انتظام تھا بے چراغ ہو گئے۔

اسی سال[4] حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کے ذریعہ ابن عطیہ کو حکم شاہی پہنچایا کہ وہ بیعتِ علی کرے ورنہ چار سو کوڑے اور داڑھی منڈوانے کی تکلیف برداشت کرے۔

دوسری صدی

سنہ ۷۱۹ء تا سنہ ۸۱۵ء

یہ وہ دور ہے کہ کہنے کو تو پیغمبرِ اسلام کی وفات کو دو سو برس ہو رہے تھے اور بادی النظر میں مرسل کے تبلیغی نقوش پرانے ہو چکے تھے مگر اولادِ رسولؐ میں اسلام کی نشر و اشاعت کا جذبہ اور شیعوں میں مذہبِ حق سے وہی شغف رہا جو عہدِ رسالت میں تھا۔ اس صدی

---

[1] رسالہ المرشد بغداد بابت ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۷ھ [2] صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰ طبع مصر سنہ ۱۳۱۲ھ [3] حاشیہ مقیاس المصابیح مخطوطات کتبخانہ ممتاز العلماء رحمہ [4] عبقات حدیث ثقلین صفحہ ۹۳

کے شروع میں عمر بن عبدالعزیز نے عہد معاویہ سے حضرت علیؑ پر جو تبرا ہوا کرتا تھا اس کو اپنی طاقت سے روکا۔ اس صدی کا آغاز خلیفہ وقت کی انصاف پسندی اور روشن طاق کے دینی خدمات سے امید افزا تھا۔ یہ صدی امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے بہتے ہوئے علمی سمندر سے معمور رہی۔ لیکن ابو حنیفہ نے آئین مذہب کو مسخ کرنے میں ویسی ہی کوشش کی جیسا کہ ابو ہریرہ نے خدائے قہار و جبار سے نہ ڈرتے ہوئے ہزاروں حدیثیں پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر دیں۔[1] حدیث ساز کمیٹی میں شیعوں کے خلاف اس صدی میں بھی ایڑی چوٹی کا زور لگتا رہا۔ مگر دینِ الٰہی اور مسلک تشیع کو کوئی طاقتور نہ بگاڑ سکا۔

اسی صدی میں شہیدِ نینوا حضرت سید الشہدا روحی فداہ کی قبر مبارک پر کچھ آثارِ عمارت نظر آئے۔ یہ فن تعمیر میں شیعوں کی پہلی داغ بیل تھی اس سرزمین پر۔

۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ کو امام محمد باقر علیہ السلام ہشام بن عبدالملک کے زہر دینے سے شہید ہوئے اور جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئے۔[2] واقعہ کربلا نے اس مٹھی بھر جماعت میں وہ روح عمل پیدا کر دی تھی کہ ہر شیعہ اپنے باپ ماضی کو سوچ سوچ کر بہادر بن سکتا تھا۔ اور تہور میں دوسرے مسلمانوں سے سبقت لے جانے کے قابل تھا۔ اس صدی کے نمایاں واقعات میں ایک اہم سانحہ یہ ہے۔ مختار کی رحلت کے بعد بھی طبقہ شیعہ کے دل سے انتقام کا جذبہ دور نہیں ہوا

---

[1] منتخبات تحریری صفحہ ۱۳۲ مؤلفہ شمس العلماء ابو لنصر وحید ایم۔ اے
[2] صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰ طبع مصر

اور اس فکر کو دلوں میں رہ جانا بھی چاہیئے تھا اس لیے کہ شہدائے کربلا ایسی بلند و بالا ہستیاں اگر ذبح ہوئیں تو ان کے جانوں کی دیت (خونبہا) وہ محدود طبقہ تھوڑی تھا جس کو مختار نے اور ان کے ساتھیوں نے قتل کیا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا مدعود انتقام کے بارے میں یہ ارشاد ہے:۔

لکل دم[۱] الف الف دمًا ولا یقصر قتل احزابھا

ہر خون کے بدلہ ہزار ہزار جانیں ہوں گی اور (امام زمان کے ہاتھ سے) ان کے گروہوں کے قتل میں کمی نہ کی جائے گی۔

ذی الحجہ[۲] ۱۴۱ھ میں عبد اللہ محض پسر امام محمد باقر علیہ السلام بڑی مظلومی کے ساتھ ولید حاکم مدینہ کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

سنہ ۱۲۰ھ امام مظلوم کے پوتے زید بن علی بن الحسینؑ مشہور امام زادہ سے ۴۰ ہزار آدمیوں نے بیعت[۳] کی اور پانچ سو آدمی صرف باقی رہ گئے۔ اور بڑی بیدردی کے ساتھ کوفہ میں ۲ صفر کو حق کی حمایت کرتے ہوئے شہادت پائی۔ تاریخ میں ہے کہ اس (مجاہد) نے خون حسینؑ کے انتقام میں چڑھائی کی اور یوسف بن عمر ثقفی کے ہاتھ سے کوفہ میں شہید ہو گئے۔ ان کی جان لینے میں ہشام بن عبد الملک بن مروان کا اشارہ تھا۔ چار برس یا دو سال ان کا جسم سولی پر رہا اور مکڑی نے جالا لگا کر پردہ رکھا۔ یہ اقدام جارحانہ نہ تھا۔ دنیائے اسلام امام زادہ ۹۱

---

[۱] دیوان حضرت علیؑ ص۵۱ مطبع نامی کا پریس سنہ ۱۳۱۲ھ ص ۱۹ بحر الانساب

[۲] حواشی صحیفہ کاملہ مترجمہ مولانا محمد ہارون صاحب زنگی پوری

[۳] حیات الحیوان دمیری ص۱۳۳ ج ۲ طبع مصر و نور الابصار فی تاریخ النبی و آلہ الاخیار طبع بمبئی۔

کی دشمن ہو چکی تھی اور آپ جہاد سے پہلے ہشام کے قید خانہ میں اسیر بھی رہ چکے تھے۔ اگر تلوار نہ اٹھاتے جب بھی زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ ان کا جہاد مزا اضافہ تھا۔ تاریخ میں یہ بھی ہے کہ کوفہ میں قتل کے بعد جو دفن کر دیئے گئے تھے، قبر سے نکال کر سولی دی گئی اور پھر ایک مدت کے بعد جسم شریف کو نذر آتش کر دیا اور خاکستر کو ہوا میں پراگندہ کر دیا۔ مفتاح التاریخ میں ہم نے ان کا مفصل حال قلمبند کیا ہے۔ زیدی سادات انہیں کی نسل سے ہیں۔

منصور بن سلمہ بن زرقان نمیری نے اس صدی میں شہادت حسینؑ پر ایک مرثیہ (لامیہ) نظم کیا تھا۔ حکومت نے یہ سزا تجویز کی کہ گدی سے زبان کھینچ کر ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جائیں پھر بے دست و پا جسم کو سولی ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کی لاش بھی جلا دی گئی۔[1] اس صدی میں محمد بن عبداللہ بن حسن کو مدینہ میں فروغ ہوا اور منصور دوانقی نے ان کے مقابلہ پر لشکر بھیجا اور ان کو قتل کیا اور ابراہیم برادر محمد کو بھی شہید کیا اور عبداللہ بن حسن کو مع ایک جماعت سادات مدینہ سے لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر عراق لے گیا۔ ان میں امام جعفر صادقؑ[2] کا دودھ شریک بھائی داؤد بھی اسیر تھا اور ضعیفہ ماں کو کچھ خبر نہ تھی کہ کیا انجام ہوا۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ داؤد قتل ہو گئے اور بعض مخبروں کا بیان تھا کہ ان کو ان کے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ ظالموں نے زندہ دیوار میں چن دیا۔ اِس المناک سرگزشت کو دریافت کر کے

---

[1] تفسیر بحر محیط ج ۷ ص ۲۹ طبع مصر

[2] زاد المعاد مجلسی ج

امام جعفر صادقؑ نے مادر داؤد کو (جو امام حسنؑ کی نسل سے تھیں) عمل استفتاح تعلیم کیا اور آدھی رات اِدھر آدھی رات اُدھر منصور نے جیل سے بلا کر بیڑیاں کٹوائیں اور دس ہزار درہم دے کر تیز رفتار اونٹ پر بٹھا کر روانہ کیا۔

سنہ ۱۲۱ھ یحییٰ ابن زید نے گرد و نواح جرجان میں سات سو آدمیوں کے ساتھ علم بلند کیا اور ولید بن یزید بن عبدالملک کے زمانہ میں آپ بھی شہید ہوئے۔[1]

سنہ ۱۴۵ھ ۲ ارمضان دوشنبہ کے دن محمد پسر عبداللہ پسر حسن پسر حسن پسر علی منصور دوانقی کے عہد میں شہید ہوئے۔ ان کے غلبہ کا زمانہ ۲ مہینہ ۱۵ روز رہا۔ اور عیسیٰ ولد محمد ولد علی ولد عبداللہ ولد عباس کے ہاتھ سے جان بحق تسلیم ہوئے۔[2]

انہیں حدود میں فرزندان قاسم بن محمد باقرؑ نے اپنی اکثریت کے تحفظ میں حاکم ظالم کے روبرو اپنے تئیں بمصلحت تشیع ظاہر کیا۔ اور سیادت سے انکار کیا۔ یہ گروہ خروج مسیب کے واقعہ سے دشمن کی نظروں پر چڑھا ہوا تھا۔ اور سادات اکثر حملہ میں شکست اٹھا چکے تھے۔

سنہ ۱۴۸ھ ۱۵ ارشوال کو امام جعفر صادقؑ[3] منصور دوانقی کے زہر دینے سے شہید ہوئے اور اپنے وطن مدینہ کے قبرستان بقیع میں دفن ہوئے۔

---

[1] منہ   [2] منہ

[3] صواعق محرقہ صد ۱۲۱

اسی صدی میں ابن ابی عمیر کو شیعیت کے جرم میں سندی بن شاہک نے بحکم ہارون ۱۲ کوڑے[1] پوری طاقت سے لگائے اور قید خانہ بھیج دیا۔ عرصہ تک جیل میں رکھنے کے بعد ۱۲۰ دینار (جرمانہ) حاصل کرکے رہا کر دیا۔

۱۴۵ھ ماہ رمضان میں ابراہیم پسر عبداللہ پسر حسن پسر حسنؑ بن علیؑ نے خروج کیا اور باخمرا میں منصور سے مقابلہ ہوا اور ایک سخت لڑائی کے بعد ۲۵ ذیقعدہ کو یہ نونہال خانوادہ نبوت تیغ ظلم سے شہید ہوا۔

۱۴۵ھ ابراہیم حمیری نسل امام حسنؑ کے وہ بہادر اور طاقتور سید تھے کہ مست شتر کی دم پکڑ کر اس کو راستہ سے روک لیتے تھے۔ اور علم و فضل میں بھی بلند رتبہ پر فائز تھے۔ ماہ رمضان کی پہلی شب چاندرات کو مدافعانہ جنگ میں لشکر منصور کے ہاتھوں سے شہید ہوئے۔ اور ایک تیر نے پیشانی توڑ کر کام تمام کیا۔[2]

۱۴۶ھ ابو اسمٰعیل ابراہیم غمر پسر حسن مثنیٰ نے ۹۹ سال کی عمر میں قید خانہ منصور دوانقی میں رحلت کی۔ محمود و جعفر پسران حسن بن حسنؑ مقام دا وند کے محلہ نیلکا میں دشمنوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اس یلغار میں دیگر سادات لقمانؔ، نعمانؔ، بستانؔ، عمرانؔ، کنعان، جالوت وغیرہ فرزندان محمد پسر حسن بن حسن علیہم السلام بھی شہید ہوئے اور قاتلوں نے بے دفن چھوڑ دیا۔ تاریکی شب میں یحییٰ پسر شجاع الدین

---

[1] سوانح عمری حضرت علی اکبر مولانا عبدالرزاق مقرم طبع عراق

[2] کنز الانساب ص۲۸ منہ

ابولولو انصاری مشہور شخص اپنے خاندان کے لوگوں کو لے کر آئے اور دفن کیا۔ تجہیز و تکفین کے وقت یہ خدا رسیدہ بندے خوفِ دشمن میں کہہ رہے تھے "بابا جہد کند کہ خارجیان واقف نشوند" جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ دشمن آجائیں۔ اس پُر خلوص جملہ نے وہ مقبولیت حاصل کی کہ اس طبقہ کو لوگ بابا جہد کہنے لگے۔

سنہ ۱۸۳ھ ۲۵ رجب وہ غم انگیز دن تھا جس میں حضرت موسیٰ کاظمؑ وطن سے دور بغداد میں ایک طویل قید کے بعد زہر دے کر شہید کئے گئے۔ خاوند شاہ مورخ نے یحییٰ بن خالد برمکی کو آپ کی زہر خورانی میں باغوار ہارون رشید مجرم قرار دیا ہے۔

سنہ ۱۸۳ھ سے پہلے امام زادہ ابو عبداللہ حسین پسر حسنؑ نے اپنے تحفظ حقوق میں علم جہاد بلند کیا۔ جب آپ اپنے چچا زاد بھائی امام موسیٰ کاظمؑ سے رخصت ہونے آئے۔ فرمایا کہ تم ضرور قتل ہو گے۔ ہادی باللہ کا زمانہ تھا اور علوی سادات کا ایک گروہ آپ کے ساتھ ہو گیا۔ مکہ سے ایک فرسخ پر جو کنواں ہے اس کو فخ کہتے ہیں۔ اسی مقام پر دشمن کا لشکر آپہنچا اور بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ تمام سادات قتل ہو گئے۔ تاریخ میں "صاحب فخ" اسی مجاہد اعظم کو کہا جاتا ہے اور اس حادثہ کے بارے میں امام محمد تقی علیہ السلام کا قول تھا کہ واقعہ کربلا کے بعد کوئی واقعہ اہل بیت کے لئے حادثہ فخ سے زیادہ سخت ثابت نہیں ہوا۔

۱؎ روضۃ الصفا، ج ۳ طبع ایران عہد ناصر الدین شاہ قاچار ۱۲۷۰ھ

۲؎ مجمع البحرین ۳؎ کنز الانساب

تیسری صدی

۸۱۶ء سے ۹۱۲ء

سلسلۂ زیارت حسینؑ کا جو عصرِ عاشورہ سے شروع ہو گیا تھا بظاہر اس وقت تک ظالم حکومت کو توجہ نہ تھی کہ زیارت بند کر دی جائے۔ سردارِ جوانانِ جنان اور شہدائے بنی ہاشم وغیرہ کی کچی قبروں کا پتہ ایک بیری کا درخت دیتا تھا۔ ہارون رشید نے اس کے کاٹ دیے جانے کا حکم دیا۔ اس وقت رسولؐ کے رہے سہے تابعین اور تبع تابعین نے رسولؐ کی حدیث لعن اللّٰہ قاطع السدرۃ۔ خدا لعنت کرے بیری کا درخت کاٹنے والے پر[1] کو سمجھا۔

۲۰۳ھ ۱۷ صفر کو حضرت امام رضاؑ مامون رشید کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ آپ کو اپنے دیس سے دور خراسان میں انگور میں زہر دے کر شہید کیا اور مامون کے جبر و تشدد[2] سے آپ کو زہریلے انگور کھانا پڑے جس کے سامنے امام ضامن و ثامن کی پُر فریب شہادت کا ثبوت ہے وہ ولیعہدی کو جو اس کے پہلے کا واقعہ ہے ہرگز مامون کی طرف سے عزت افزائی نہیں سمجھتا۔ ولی عہدی نے مامون کی بے تعصبی کی جو خشت نصب کی تھی قتلِ امام کے بعد دنیا کو معلوم ہو گیا کہ یزید اور مامون کا نتیجۂ فکر ایک تھا۔ صرف تدابیر بدلے ہوئے تھے۔ ولی عہدی کا منصب شیعیت کے نمودار کرنے کا سبب اُس وقت ہوتا

---

[1] ناسخ التواریخ جلد ششم ص۱۲۱ طبع بمبئی۔
[2] روضۃ الصفا ج ۳ ص۲۰۔

جب قتل امام کا داغ دامنِ حکومت پر نہ ہوتا دامادی اور ولی عہدی کے بعد مامون نے آپ کو نمازِ عید پڑھانے سے روکا اسی وقت جذبۂ عناد بے نقاب ہو گیا لہٰذا مامون سے ہم کو ہمدردی نہیں ہے۔

زنانی مجلس اور تبرک

امام رضاؑ پہلے شخص ہیں جس نے مجلسِ حسینؑ میں عورتوں کی شرکت اور عورتوں کو پسِ پردہ جگہ دے کر معزز کیا اور تقسیم تبرک میں دوہرے حصے سے سرفراز کیا۔ ذکرِ مظلوم کے صلہ میں نقد اور خلعت عطا فرما کر منصب کو جلیل تر ثابت کیا۔ ثانی حضرتِ زینبؑ یعنی فاطمہ قمؑ کی وفات بھی بھائیؑ کے غم میں اسی صدی میں ہوئی یہ وہی قم ہے جس کے مرکزِ علم ہونے کی دورِ ائمہ میں پیشین گوئی ہو چکی تھی۔ اور جو بحمد اللہ اس وقت بھی اہلِ علم و کمال سے چھلک رہا ہے۔

۲۰۸ھ ماہ رمضان میں سیدہ نفیسہ نے رحلت کی۔ یہ معزز خاتون نسل حضرتِ امیرؑ سے تھیں اور اسحٰق بن امام جعفر صادقؑ کی رفیقۂ حیات تھیں۔ علم و فضل کا یہ حال تھا کہ امام شافعی نے تکمیلِ علم کے بعد[1] اس معظمہ کی شاگردی کو فخر سمجھا۔

۲۲۰ھ ۲۹ ذی قعدہ کو بغداد میں امام محمد تقیؑ بعمر ۲۵ سال شہید ہوئے۔ آپ کو بھی زہر دیا گیا اور سبط ابن جوزی کی رائے ہے کہ مامون کی لڑکی یعنی آپ کی منکوحہ نے شمعِ حیات گل کی اور باپ کے علم افروز مقصد کو کامیاب بنا کر تجدید کی یاد تازہ کی۔

---

[1] سیرت امام شافعی مولفہ خالد انصاری مطبع علوی بھوپال

[1] ۲۳۲ھ میں متوکل کا دور آیا اور اس ظالم نے زائروں کو کربلا جانے سے روکا۔ فرات کاٹ کر قبر حسینؑ تک لایا۔ اور چاہا کہ نشان قبر بھی باقی نہ رہے۔ قبور شہدا پر کھیتی کی گئی اور ہل چلا۔ آخر میں زائروں کے ہاتھ اور پیر کٹوائے مگر تشیع میں ہمت و استقلال تھا کہ زیارت بند نہ ہوئی۔ اسی سال متوکل نے دس ہزار کے لشکر سے زائروں کو روکنے کی کوشش کی۔

[2] ۲۴۶ھ رجب کی پانچویں کو ابن سکیت نحوی اس جرمؑ میں قتل ہوا کہ وہ حضرت علیؑ کے غلام قنبرؓ کو حاکم وقت اور اس کے شاہزادوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ اس جرم میں گدی سے زبان کھینچی گئی۔ دنیائے علم و ادب میں اس کامل الفن کی شہادت سے ہمیشہ غم رہے گا۔ امام رضاؑ کی مجلس کے ذاکر مقبول دعبل خزاعی عجیب شرمناک طریقہ سے شہید کیے گئے۔ ان کے نازک اعضائے جسم کو اس بیدردی سے دبا دیا گیا کہ جان بحق تسلیم ہو گئے اور اہواز میں سپرد خاک ہوئے۔ ابوالحسن علی بن محمد بن نصر شاعر نے متوکل پر نکتہ چینی کی۔

[3] ۲۵۴ھ رجب کی تیسری کو دسویں امام علی نقیؑ معتمد عباسی کے حکم سے زہر دے کر شہید کیے گئے اور آپ کی قبر بھی وطن سے بہت دور سامرہ میں بنائی گئی۔ اولاد امام میں جعفر تواب مشہور ہستی اور سادات نقوی کے مورث اعلیٰ گذرے ہیں جنہوں نے حضرت حجت کے تعارض میں بمصلحت دعوائے امامت کیا تھا اور اسی طرح صدائے اختلاف بلند کی

---

[1] صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳ [2] تاریخ زین الدین ابن عمر وردی وغیرہ
[3] ابن کثیر شامی مورخ کے الفاظ یہ ہیں حضرت خمیاہ (تاریخ الکامل صفحہ ۲۸۰)

جس طرح حضرت عباس عم رسالتؐ مآب اور محمد بن حنفیہؒ کا اختلاف تاریخ میں موجود ہے۔ اسی نظریہ کے تحت میں جب آپ امام حسن عسکریؑ کی نماز جنازہ کے لئے تابوت کے قریب پہنچ گئے اور تکبیر کہنی ہی چاہتے تھے کہ ایک ماہ پارہ شہزادہ صغیر چہرتا ہوا سامنے آیا اور کہا چچا ہٹ جائیے یہ حق میرا ہے۔ جعفر نے بھتیجے[1] کو بڑھا دیا اور خود اقتدا کرلی۔ اس واقعہ کے بعد پھر کسی نے ان کو جعفر کذاب نہیں کہا۔

۲۶۰ھ ۸ ربیع الاول کو معتمد عباسی کے حکم سے امام حسن عسکری علیہ السلام شہید ہوئے۔ آپ کا سبب وفات بھی زہر خورانی ہے جو مسلّمہ حقیقت ہے چونکہ فاطمۃ الزہراؑ کے گھر کی یہ آخری موت تھی۔ اس لئے ان کے پیرو طبقہ شیعہ نے ایام عزا کا آخری دن قرار دیا۔ اس لحاظ سے بھی یہ یوم غم ہوا کہ آج سے امامت کو غیبت شروع ہوئی۔ زیارت ناحیہ بھی انہیں حدود میں برآمد ہوئے۔ زیارت کی اسناد میں میرے ہمعصر علماء میں بعض نے عذر کیا ہے مگر وہ شہرت جو ہر دور میں اس کلام کو حاصل ہے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے اور فرقہ شیعہ کی کامیابی کا راز ہے کہ واقعہ کربلا پر بڑی حد تک کلام امام کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔

۲۹۶ھ میں ابو العباس عبد اللہ معتدر کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور نجف اشرف میں سپرد خاک کئے گئے۔ جامعہ نجفیہ کی بنیاد

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب ابی طالب۔

[2] صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴

اسی صدی میں قائم ہوئے اور تالیف و تصنیف کی ابتدا اگرچہ اس سے پہلے ہو چکی تھی مگر علم سفینہ میں تبدیل ہونے کا باقاعدہ کام اسی دور میں شروع ہوا۔

ایک مفید بحث

عہدِ معاویہ میں مسلمانوں کو جو حکم سختی سے پہنچایا گیا کہ کوئی شخص اسلامی آبادی کا رہنے والا علیؑ اور اولادِ علیؑ کے نام علی پر اپنی اولاد کے نام نہ رکھے ورنہ قتل ہو جائے گا۔ اس صدی میں بنی امیہ و بنی عباس کا وقار ختم ہو گیا مسلمانوں نے اپنی اولاد کا نام پھر اہلبیت رسولؐ کے محترم ناموں پر رکھنا شروع کیا اور نسبتاً مسلمان نام رکھنے میں آزاد ہوتے وہ طبقہ جو امویت کے زیر سایہ پروان چڑھ رہا تھا لامحالہ زمانہ کے رنگ میں آجاتا مگر اسلام کا جذبہ بھی کوئی شے تھا۔ اگر خاندانِ رسولؐ کے نام ایک مسلمان اپنی اولاد کے رکھنا پسند کرے تو ہرگز گناہ نہیں ہے۔ اس طبقہ میں جستہ جستہ کچھ نام تو دوسری صدی میں ملتے ہیں۔ چنانچہ ابو عبداللہ محمد بن الحکیم[1] الترمذی المتوفی ۱۸۹ھ صدر اوّل کا محدث ہے اُس کے بعد زیرِ بحث دور جس میں محمد مروزی المتوفی ۲۱۲ھ اور علی بن محمد طنافسی المتوفی ۲۳۳ھ اور حافظ ابو علی بن بریدہ العبدی المتوفی ۲۵۰ھ اور نصر بن علی بن منذر طریفی المتوفی ۲۵۰ھ مشہور آئمہ حدیث گذرے ہیں جو اگرچہ سب اہل سنت تھے مگر اُن کے والدین نے ان کے نام رکھ کر دورِ تعصب کی تبدیلی کا خاموشی سے ثبوت دیا۔ ان کے رشحاتِ افکار

---

[1] عبقات الانوار حدیث ثقلین طبع ۱۳۱۴ھ

ناظر بصیر کو منقبت آلِ محمدؐ کے سلسلہ میں مناقب اور کتب کلام میں ملیں گے۔ شیعوں کو اپنی اولاد کے نام رکھنے میں جو مشکلات تھے اس کی نقشہ کشی ہماری کتب سوانح حیاتِ عثمان بن علی اور سوانح حیات زید بن زیاد کندی میں موجود ہے۔

چوتھی صدی

۹۱۳ء سے ۱۰۰۹ء

ثقیفائی حکومت قائم ہونے کے بعد سے دورِ بنی عباس تک دمشق ہو یا بغداد کسی اسلامی بستی یا مضافات میں شیعان علی کو نہ حکومت کے عہدوں پر سرفراز کیا جاتا نہ عام طور پر اُن کو نوکری ملتی تھی۔ اسلامی اجتماعات میں وہ اگر پہنچ جاتے تو اُن پر اجنبیت کی نظریں پڑتی تھیں۔ تجارت کے موقع پر بھی ان کو متعاملہ کرکے بھی ترقی کرنے نہ دیا۔ مالِ غنیمت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ بیت المال کے وظائف میں ان کی گنجائش نہ تھی اور اقتصادی خرید فروخت میں حالت کو بد سے بدتر بنانے کے لئے ہر مسلمان تیار رہا۔ یہ نقصان شیعوں کے خون سے دیوارِ بغداد بنانے اور اُن سے کنوئیں پاٹنے سے بھی سخت تھے۔ ایک طرف تو یہ بے پناہ مظالم تھے اور دوسری طرف ہدایت کے چراغ روشن ہوتے جارہے تھے چنانچہ اسی صدی کی ابتدا اور ۲۰ سال میں اصول کافی مرتب ہوگئی جو احادیث و اخبار کا کامل مجموعہ ہے۔

لہ ارجح المطالب طبع نولکشور لاہور ص۳

۳۲۹ھ اس کتاب کے جامع اور شیعوں کے سب سے بڑے عالم یعقوب کلینی علیہ الرحمہ نے انتقال کیا جن کی شب وفات رات بھر آسمان سے تارے ٹوٹتے رہے۔ اصول کافی وہ صحیفہ ہے جس کیلئے مشہور ہے کہ بارگاہ عصمت و طہارت سے کاف شیعتنا کی سند اعزازی اس قرن میں آل بویہ کو فروغ ہوا اور پہلا بادشاہ عماد الدولہ بن بویہ پسر نوشیرواں برسر حکومت ہوا۔ عزاداری سید الشہداء باعلان[۱] شروع ہوئی اور تاثرات منظر عام پر آئے۔ اسی صدی میں عید غدیر کی محفل مسرت ۱۸ ذی الحجہ کو باعلان[۲] ہوئی اور قدیم آثار فرحت و انبساط کی تجدید ہوئی۔

۳۵۱ھ میں کرخ کے پرجوش شیعوں نے حاکم شام اور دیگر[۳] دشمنان اہلبیت سے نام بنام بیزاری لکھ کر اپنے دروازوں کو اپنے ضمیر کا گواہ بنایا اور اپنے نزدیک دیوار سادات کا عملی جواب دیا۔

۳۵۷ھ[۴] مصر میں سلطنت فاطمی قائم ہوئی اور پہلا بادشاہ مہدی احمد بن اسمٰعیل بن امام جعفر صادق علیہ السلام برسر اقتدار ہوا۔

۳۶۱ھ جامع ازہر کی شیعہ ہاتھ سے بنیاد قائم ہوئی جو آج تک مصر میں باقی ہے۔

۳۶۳ھ[۵] بغداد میں فرقہ وارانہ تصادم ہوا اور اکثریت اقلیت پر غالب آئی۔

---

[۱] مراۃ الجنان یافعی [۲] دول الاسلام ذہبی [۳] مجالس المومنین شہید شوستری [۴] منہ [۵] اجتناب الخلود ص ۹۳ طبع قدیم [۶] منہ [۷] منہ۔

سنہ ۴۰۰ھ رجب میں نہج البلاغہ کلام حضرت امیرؑ کتابی صورت میں آیا۔ اصول کافی اور نہج البلاغہ فرقۂ شیعہ کے جیب و دامن میں وہ گوہر آبدار محفوظ ہوگئے جو کسی خزانہ میں نہیں ہیں۔ اس صدی میں شیخ مفید علیہ الرحمہ کی علمی سلطنت اور عضد الدولہ کی دنیاوی حکومت نے غیبتِ کبریٰ کی تاریکی میں شمعِ راہ کی حیثیت حاصل کی اور روضۂ نجفِ اشرف عضد الدولہ کی عقیدت سے تعمیر ہوا۔

پانچویں صدی

۱۰۰۷ء سے ۱۱۰۶ء

اس صدی کا تہائی حصّہ علامہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ مشہور شیعہ عالم کے فیوض سے معمور رہا اور آپ نے فرقہ ہائے باطل معتزلہ زیدیہ اور علی بن موسیٰ رمانی ابو عبداللہ بصری جعفر بن حبیب ابی الحسن ابو لیث اوانی غیر شیعہ معترضین کے فیصلہ کن جوابات دیئے اور شبہات کی رگِ حیات کو قطع کر دیا۔

خراسان میں طغرل بیگ نے مٹھی بھر شیعوں پر عام تبرّے[1] کا حکم دیا۔ اور خوب دل کا بخار نکالا۔ افریقہ میں شیعہ قتل کئے گئے۔

سنہ ۴۴۰ھ صفر میں بادلیس حاکم افریقہ[2] نے لاتعداد شیعہ قتل کئے۔

۴۱۵ھ محمود غزنوی نے راجا جے پال کو لاہور میں شکست دی اور درگاہ بی بی پاکدامناں کے حالات سُن کر پختہ چار دیواری اور اطاق بنوائے۔

---

[1] المختصر فی اخبار البشر [2] تنزیہ الالباب صفحہ ۹۶

سنہ ۴۲۱ھ جو روم نے ایک لاکھ نفوس سے سلاطین فاطمیہ پر حملہ کیا۔
(تواریخ شاہانِ ماضیہ)

سنہ ۴۲۴ھ ۱۴ رجب کو ہندوستان میں ایک مشہور ہستی جس کو شیعہ ثابت کرنے کے ذرائع اگرچہ مکمل نہ ہوں مگر اس بات سے انکار نہیں ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے جناب محمد حنفیہ تک پہونچتا ہے۔ نام سید سالار مسعود غازی[1] ماں کی طرف سے محمود غزنوی کے بھانجے ۱۸ سال کی عمر عہدِ شباب میں مشرکین کے ہاتھ سے بہرائچ میں قتل ہو گئے۔ اسلام کی لاج میں آپ کے ساتھی سید حسن وغیرہ چند اشخاص اور بھی قتل ہو گئے۔ ان کی قبر زیارت گاہِ خلق ہے۔ اگر سیادت ثابت ہے تو یہ حادثہ اولاد حضرت امیرؑ کی شہادت کے لحاظ سے شیعہ ہمدردی کا مستحق ہے۔

سنہ ۵۴۸ھ ۸ جمادی الاول کو سرِ حسینؑ مصر میں دفن ہوا (منتہ) صحیح یہ ہے کہ بعد مدت سرِ اقدس کربلا کی طرف منتقل ہوا۔

سنہ ۴۴۹ھ بغداد میں سُنّی شیعہ فساد ہوا اور مذہب امامیہ کے بہت بڑے عالم ابو جعفر محمد بن حسن بن علی طوسی[2] کا گھر جلا دیا گیا۔ کتابیں برباد کر دیں اور وہ جناب اس تباہی کے بعد نجف اشرف چلے گئے۔ فتنہ و فساد کی آگ روضۂ کاظمین تک پہونچی اور ضریحِ مبارک[2] وارث خلیل کی نذرِ آتش کر دی گئی۔ اسی صدی میں شیعوں نے اپنی مسجد[3] حلب میں دروازہ پر "محمد و علی خیر البشر" لکھا۔ ایسا کیوں ہوا۔ بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مشرکین کو پاک کہنے والے نام نہاد مسلمان ہماری مسجد کو

---

[1] ماہنامہ معارف ہمایوں جلد ۱۴ شمارہ نمبر ۷ و ۸ ماہ جولائی و اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۵ مضمون پروفیسر محمد مطیع الرحمن پٹنہ۔ [2] مجالس المومنین طبع ایران صفحہ ۲
[3] المختصر فی اخبار البشر

نجس نہ کریں اور خانۂ خدا میں اس طرح اذان ہوتی رہی جس طرح عہدِ رسولؐ[1] میں ہوتی تھی حضرات اہلسنت وجماعت نے اس صدی میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا فقرہ جو عہدِ خلیفہ ثانی سے شروع ہوا تھا جاری رکھنے میں کوشش کی۔

۴۵۷ھ ماہِ صفر میں مملکت شام میں ایک شیعہ حاکم برسرِ اقتدار ہوا۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اس کے متعصب رافضی ہونے کا اقرار کرتے ہوئے یہ واقعہ لکھا ہے کہ شام و عراق کے محدث ابوبکر بن احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی کو جن کا خطیب بغداد لقب تھا حاکم وقت نے مجرم قرار دیا اور ایک (صحیح) الزام کے سلسلہ میں اُن کے قتل کا حکم دیا۔ جلاد سنی تھا اُس نے گردن زدنی کے بجائے اُن کو بغداد بھاگ جانے کا موقع دیا اور وہ بغداد چلے گئے۔

چھٹی صدی

۱۱۰۶ء تا ۱۲۰۳ء

شعبان ۵۰۳ھ میں ابوالوفا عبدالمجید انزدی کلائے میں مدرسہ جاری تھا۔

رجب ۵۲۳ھ میں[2] ابوعبداللہ محمد شہریار روضۂ نجف کے خازن بنے۔

۵۷۳ھ سے پہلے قطب الدین رازی کے مجاز زین دوست نے مصر میں خطبات حضرت علیؑ کی ۲۰ جلدوں سے زیادہ دیکھیں (معالم زلفی)

۲۰ ۵۶۲ھ سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس نے اپنے نزدیک سادات اور ان کے مذہب کا خاتمہ کر دیا۔

ل عبقات الانوار جلد اوّل حدیث ثقلین ص ۲۲۲ طبع ۱۳۱۲ھ

ٹ مہج الدعوات

۵۹۷ھ ۱۱ جمادی الاولیٰ کو خواجہ نصیر الدین طوسیؒ پیدا ہوئے جو علمی کمالات میں اپنی آپ نظیر تھے۔ درود طوسی کی نعمت عظمیٰ شیعوں کو اسی صدی میں حاصل ہوئی۔ یہ دعا اگرچہ ان دعاؤں میں نہیں ہے جو امام پیغمبروں کا کلام ہیں مگر اس کی تالیف کا تاریخی واقعہ یہ ہے کہ محقق طوسیؒ نے معتصم خلیفۂ وقت کے سامنے تالیفات پیش کیں اور اُس نے تمام کتابیں آپ کی دریا میں ڈال دیں۔ آپ کو صدمۂ عظیم ہوا۔ شب کو خواب میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ فرماتے ہیں اگرچہ چاہتے ہو کہ دلی مراد پوری ہو تو ایک درود انشا کرو۔ آپ نے درود طوسی عربی زبان میں تیار کیا اور اس جدید دعا کے وظیفہ سے ہلاکو خان نسل چنگیز خاں نے خروج کیا اور حکومت تاخت و تاراج ہوئی۔

۵۸۹ھ ۱۵ محرم کو سید علی بن طاؤس علیہ الرحمہ پیدا ہوئے۔ دنیائے تشیع کی یہ وہ مقتدر ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنے بعد ہدایت کے وہ روشن چراغ چھوڑے جو تا ابد گل نہ ہوں گے۔

پھر بغداد کا فرقہ وارانہ فساد اسی صدی میں ہوا اور بڑی مچھلیوں نے چھوٹی مچھلیوں کو ہڑپ کیا۔ اس علمی جدوجہد کے ساتھ قلم بھی شیعیت کی بیخ کنی کے لیے مسلسل چلتا رہا اور اس طبقہ کے مورخ ابو القاسم علی بن حسن ابن عساکر نے ذم الرافضہ شیعوں کی مذمت میں کتاب لکھی اور خوب دل کا بخار نکالا۔

۱؎ لولوۃ البحرین   ۲؎ مجموعۃ الدعوات میر محمد مومن حسینی مخطوطات ص ۲۹

۳؎ طبقات الانوار حدیث طیر۔

ساتویں صدی

سنہ ۱۲۰۴ء تا سنہ ۱۳۰۰ء

قرن وسطیٰ میں دولت بنی عباس ختم ہوئی اور سادات کو چُن چُن کر قتل کرنے والے خود پیوند زمین ہو گئے۔

سنہ ۶۰۷ھ ۱۵ رجب کو ہندوستان میں حسین اصغر عرف میران شاہ کھنگوارہ میں مشرکین کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور تبلیغ توحید کے جرم میں سنہ ۱۲۱۰ء میں قتل ہو گئے۔ آپ خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے بہیرہ سادات ضلع مظفر نگر میں ان کا عرس آج تک ہوتا ہے۔[1]

سنہ ۶۱۷ھ ربیع الآخر میں چنگیز خاں نے ایران پر حملہ کیا اور خوارزم ہرات بلخ خراسان سبزوار قم ہمدان نیشاپور کو تاخت و تاراج کیا۔ سبزوار میں ستر ہزار مقتول اور نیشاپور میں بارہ دن تک لاشوں کا شمار ہوتا رہا۔ اسی حملہ میں دشمن نے آگ لگائی عورتوں کو اسیر کیا۔ بعض بعض جگہ پانی بند کیا۔ عورتوں کی عصمت دری کی۔ ذی الحجہ سنہ ۶۲۱ھ تک قتل عام جاری رہا۔ جب شہر قم پر حملہ ہوا تو وزیر حکومت نے کہا:۔

چوں جنہ زبان بقم رسید طائفہ از مسلمانان کہ دراد روے او بیر دند گفتند کہ قتل اہل قم بسبب آنکہ رافضی المذہب اندعین صواب و مستلزم ثواب است (حاصل مضمون)[2]

---

[1] اخبار سرفراز مورخہ ۲ رمئی سنہ ۱۹۵۱ء

[2] روضۃ الصفا ج ۵ صنہ ۳ تا ۴۳ طبع ایران سنہ ۱۲۷۰ھ مولفہ محمد بن خاوند شاہ

حملہ آور جب قم پہنچے تو مسلمانوں کے اس گروہ نے کہا قم کے رہنے والوں کا قتل اس وجہ سے ہے کہ رافضی ہیں۔ بالکل ٹھیک اور موجبِ ثواب ہے۔ اس حملہ میں کئی لاکھ شیعہ قتل ہوئے اور سادات کا رُخ ہندوستان کی سمت اسی قتل و غارت میں ہوا۔ عرب کی زمین جب اموی مظالم سے اُن پر تنگ ہونے لگی تو ایران نے بسایا اور اس ہلچل میں عجم سے ہند میں آ گئے۔

۶۳۳ھ خواجہ معین الدین چشتی نے اجمیر میں وفات پائی اور ان کی زبان فیض ترجمان سے ظلمت کدۂ ہند میں حسینیت کا ترانہ بڑی حسن و خوبی سے ادا ہوا۔

شاہ است حسینؑ و بادشاہ است حسینؑ دیں است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نداد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ[1]

اسی صدی میں سلطان شمس الدین التمش نے سبزواری شمس الدین کو جو گردیز میں تھے خلعتِ دامادی عطا کیا۔ ان کی قبر حوض شمسی کے محاذ میں ہے۔

۶۴۴ھ ۱۹ رمضان بروز قدر مبدء فیاض سے مادرِ گیتی کو علامہ علی سافرزند عطا ہوا جس کے تحقیقات افادات محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔

---

[1] اس شعر کو علمائے اہلسنت میں پروفیسر نواب علی ایم۔ اے وزیر تعلیمات جونا گڑھ شہید حق ص۳ مطبع نظامی پریس ۱۹۲۶ء میں اور سکاڈیانی اہل قلم عزیز ادیب فاضل نے ہفتہ وار اخبار روشنی سری نگر کشمیر ص۳ ج ۱۴ نمبر ۲۳ بابت اگست ۱۹۶۵ء مطابق ۱۱ محرم ۱۳۸۵ھ میں خواجہ صاحب کا نتیجۂ فکر تسلیم کیا ہے۔

[2] انیس الناظر و جلیس المسافر

سنہ ۶۵۵ھ معتصم باللہ کی وزارت موید علقمی شیعہ کو ملی۔
سنہ ۶۹۸ھ شاہ خدا بندہ نے مذہب اثنا عشری قبول کیا، اور ہلاکو خاں کی نسل میں ایمان کا ستارہ چمکا۔
سنہ ۶۹۹ھ خیر آباد ضلع سیتا پور ہندوستان میں یوسف غازی سوقی نے باون ڈنڈے کا تعزیہ رکھا جو آج تک گشت کرایا جاتا ہے۔
اس صدی کے آخر میں میر علی تبریزی نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو خواب میں دیکھ کر حضرت کی رہنمائی سے خطِ نستعلیق ایجاد کیا۔ چنانچہ سلطان علی مشہدی کے شعر سے واضح ہے سے

نستعلیق گر خفی و جلی است ؛ واضع الاصل خواجہ میر علی است

(تاریخ جدولیہ صفحہ ۱۲۵)

آٹھویں صدی

سنہ ۱۳۰۱ء سے سنہ ۱۳۹۷ء تک

سنہ ۷۵۲ھ سے سنہ ۷۹۰ھ تک فیروز شاہ تغلق کی حکومت دہلی میں رہی اور اس نے ہندوستان میں دل کھول کر شیعہ قتل کئے چنانچہ وہ خود اپنی سوانح حیات میں رقمطراز ہے ——— فرقہ شیعہ نے جنہیں روافض بھی کہتے ہیں، میری سلطنت میں اپنے عقائد پھیلانے کی کوشش کی۔ رسائل اور کتابیں لکھیں اور شیعی معتقدات کی تعلیم و اشاعت شروع کی جتی کہ خلفائے راشدین کی ہتک حرمت اور سب صحابہ کرام کا اقدام کیا۔ میں نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور اس کے جرائم اور قصوروں پر سزائیں دیں۔ ان میں سے جو غالی شیعہ تھے انہیں قتل کرایا اور بقیہ کو

تعزیر و تجدید و جزیہ کی سزا دی۔ ان کی کتابیں اور تحریریں جلا دی گئیں اور اس طرح خداوند تعالیٰ کے فضل و احسان سے اس فرقہ کے اثراتِ بد سے ملک کو قطعاً پاک و صاف کیا۔[۲]

اس خود نوشتہ تحریر کا ذکر تاریخ ہند مرتبہ الشوری پرشاد میں بھی موجود ہے اور فتوحاتِ فیروز شاہی کے نام سے مؤلف نے یاد کیا ہے۔

فیروز شاہ کی موت ۱۳۸۸ء میں ہوئی۔

۷۸۶ھ شیعوں کے بڑے جلیل عالم شیخ محمد مکی ایک سال کی قید سخت کے بعد قلعۂ شام سے رہا کر کے شہید کیے گئے۔[۱] آپ کے قتل پر قاضی برہان الدین مالکی اور عباد بن جماعہ قاضی دمشق کا فتویٰ تھا۔ قتل کے بعد ظالم گروہ نے لاش پر پتھر برسائے۔ اس کے بعد جسم جلا بھی دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے شخص کی قبر کا بھی پتہ نہیں۔ اگرچہ ان سے پہلے لاتعداد شیعہ اہل علم قتل ہو چکے تھے مگر زبانِ خلق میں شہیدِ خلق یہی کہے گئے۔ آپ کی تصانیف میں وہ رسالہ جو قید شام میں شیعہ فقہ پر لکھا تھا "لمعہ دمشقیہ" کے نام سے آج بھی موجود ہے اور دست مبارک کا لکھا ہوا صحیفۂ سجادیہ سید علام ممتاز العلماؒ کے کتب خانہ میں موجود ہے اور یہ شرف اسی مکتبہ کو حاصل ہے کہ وہ ایسے نوادر تبرکات آج تک رکھتا ہے۔ اس مخطوطہ مقالات اور تحریر شہید کا عکس شیعہ پریس سے نشر کیا جا چکا ہے۔

اس صدی میں شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے شیعیت کے خلاف زہر اگلا اور وہابیت کو خوب سراہا۔ کتب خانہ حیدریہ نجف اشرف میں

---

[۱] لولوۃ البحرین   [۲] مجالس المومنین

نذر آتش کر دیا گیا۔

۸۰۵ھ میں سید محمد نوربخش موسوی نے سات برس کی عمر میں پورا قرآن یاد کیا۔[1]

۸۰۰ھ میر عظیم الدین پسر سید ابوالقاسم قنوجی پسر سید کمال الدین نے جو زیدی سادات سے تھے۔ عہد سلطان ابراہیم شرقی میں پانچہزاری منصب تک ترقی کی اور بادشاہ کے حکم سے ۸۶۴ھ میں رائے بریلی کے مخالف عنصر کو زیر کر کے قلعہ بنایا اور بڑا کنواں جس کا قطر نو گز کا ہے بنوایا۔ قلعہ کا صرف پھاٹک اور خس پوش کنواں اس وقت بھی موجود ہے۔[2]

نویں صدی

۱۳۹۸ء تا ۱۴۹۴ء

اس صدی میں شیعہ فتنہ مظالم سے محفوظ رہے۔ شعر و سخن جہاد قلم میں مطمئن ہو کر آگے بڑھے۔ واقعہ کربلا کے نشر و اشاعت میں ان کی ہر کوشش کامیاب ہوئی۔ مداحان اہلبیت نے کثرت سے مرثیہ نظم کیے۔ بظاہر اس وقت تک نثر میں ذکر شہادت کا رواج نہ تھا۔ کثرت سے شیعوں نے اپنے اشعار میں واقعۂ کربلا پر بحث کی۔

۸۰۱ھ امیر تیمور کا دہلی میں تسلط اس صدی کا اہم واقعہ ہے بھارت میں عزاداری تیمور کے دم سے پائیدار ہوئی۔ ادھر پرشیا میں اہلسنت کے عالم اور محقق کمال الدین حافظ حسین بن علی واعظ کاشفی

---

[1] مجالس المومنین [2] تحفۃ الانساب

سبزواری نے روضۃ الشہداء اس پُرخلوص نیت سے مرتب کی کہ اب بجائے مرثیہ خوانی کے منبروں پہ (شہر میں) روضہ خوانی شروع ہوئی[۱] کتاب مذکور کی مقبولیت پہ رجال میں جو الفاظ ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے روضۃ الشہداء سے مجلسیں پڑھنے والا طبقہ اور جس جس نے یہ رنگ اختیار کیا اس کو روضہ خوان کہا جانے لگا اور یہ لقب آخر میں وسعت اختیار کر کے ہر ذاکر تک پہنچا اور مجلس آج تک روضہ خوانی کہی جاتی ہے۔ تیمور شیعہ بادشاہ نے صاحب قاموس کو ایک لاکھ روپیہ انعام دیا۔

اِسی صدی کی ابتدا میں سید محمد نوربخش ۱۸ روز تک کنویں[۲] میں قید رہے پھر شیراز کے قیدخانہ میں سزا برداشت کی اور سنہ ۸۶۹ھ میں رحلت کی۔ سنہ ۸۸۶ھ محمود گواں شیعہ[۳] مدبر اور تعلیم کے بہت بڑے حامی قتل ہوئے۔

سنہ ۸۹۸ھ سلطان محمد قلی قطب شاہ نے سنہ ۹۸۸ھ حیدر آباد میں شفاخانہ بنوایا۔

دسویں صدی
سنہ ۱۴۹۵ء تا سنہ ۱۵۹۱ء

اِس صدی میں برہان نظام شاہ تاجدار دکن نے شاہ طاہر کے ایما سے مذہب شیعہ اختیار کیا۔ تبدیلی مذہب کا واقعہ تاریخ[۴] میں اس طرح ہے کہ

---

۱ روضات الجنات ۲ مجالس المومنین ۳ ہند کی مختصر تاریخ مرتبہ پروفیسر محمد حبیب علیگ ۴ تاریخ فرشتہ مقالہ سویم روضہ دوم مولفہ محمد قاسم ہندو شاہ استرابادی صفحہ ۱۱۳ طبع نول کشور

شہزادہ عبدالقادر کو بہت تیز بخار آگیا۔ حکیموں نے جواب دیدیا۔ مایوسی میں شاہ طاہر نے کہا کہ اگر بارہ اماموں کی راہ میں ایک بڑی رقم صرف کرنے کی منت مانی جائے تو جان بچ سکتی ہے۔ فرمانروائے دکن کو بارہ امام معلوم نہ تھے۔ طاہر نے نام بتائے تو یاد آیا کہ بچپن میں ان کی ماں نے بارہ امام کے نام سکھائے تھے۔ خود شاہ نے اقرار کیا اور معاہدہ کی برکت سے خدا نے صحت دی۔ مریض کے خواب میں پیغمبر خدا اور اہلبیت طاہرین علیہم السلام آئے اور مرض دور ہوا۔ شاہ طاہر سرخرو ہوئے اور بادشاہ نے مذہب اثنا عشری قبول کیا۔ تفصیل اس کی تاریخ فرشتہ میں موجود ہے۔[۱]

۹۱۸ھ کو سلطان قلی ہمدانی نے دکن کے علاقہ تلنگانہ میں آئمہ اہلبیتؑ کے نام خطبہ میں درج کئے۔

۹۲۴ھ کی حدود میں محمود گانواں کی شہادت ہوئی۔ یہ وہ شیعہ مدبر ہے جس کی علم نوازی حکمت دوستی پر دکن کا چپہ چپہ گواہ ہے۔

۹۲۷ھ عبداللہ سلطان ترک نے ۳۰ ہزار سواروں سے ایران پر حملہ کیا اور شیعہ قتل وغارت ہوئے۔

۹۲۸ھ میں غیاث الدین محمد ایران میں قتل ہوئے۔ مورخین نے ان کو سید شہیدؒ بیگناہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

۹۳۳ھ اجودھیا میں بابر بادشاہ نے سید موسیٰ عاشقان کے اہتمام سے مسجد بنوائی جس کی تاریخ تعمیر خیر باقی ہے۔ اس مسجد کی جگہ پر سیتا جی کی رسوئی بتائی جاتی ہے۔ مسجد کی تولیت میں مرسلین کا شیعہ ہونا

---

[۱] مرغوب القلوب صدر جہاں [۲] روضۃ الصفا

شرط ہے۔ اور اس پر آج تک عملدرآمد ہے۔

۹۴۶ھ علماء شیعہ میں شیخ جلیل زین الدین بن علی بن احمد بن جلال الدین بن تقی الدین بن صالح نے ارادۂ حج کیا اور مخالف ماحول کا احساس فرماتے ہوئے پردہ دار محمل میں روانہ ہوئے۔ ان کے ہمعصر قاضی صیدا سنّی عالم نے بادشاہ روم کو لکھا کہ مملکت شام میں ایک شخص بدعتی چاروں مذاہب حنبلی و شافعی و مالکی و حنفی کے علاوہ مذہب رکھتا ہے۔ حاکم نے شیخ کی تلاش میں جاسوس روانہ کیا اور حکم دیا کہ شیخ کو زندہ لے آؤ تاکہ ہم اپنے علماء سے مباحثہ کرائیں اور اس کے مسلک پر آگاہی حاصل کریں۔ مخبر حج کے راستہ میں آپ تک پہنچا۔ شیخ نے حج کر لینے کی اجازت مانگی۔ اس نے مہلت دی۔ آپ حج آخر سے واپس ہو رہے تھے اور کربلائے معلیٰ کی زیارت کا ارادہ تھا۔ سلطان سلیم شاہ روم نے آپ کو قید کر لیا اور قسطنطنیہ میں اسیر ہوئے۔

۹۵۰ھ محرم کی چھٹی تاریخ ملا مبارک اللہ مشہور عالم کے گھر میں اولاد نرینہ ہوئی اور ہندوستان کے ذی علم باپ نے اس بچہ کا نام اپنے استاد کے نام پر ابوالفضل رکھا۔ یہ بچہ ضعیف باپ کا خلفِ اصغر ہوگا اور اس کے بڑے بھائی کا نام فیضی ہے۔ ان صاحبانِ کمال باپ اور بیٹوں کا حال مختصر الفاظ میں لکھے بغیر مقصدِ تالیف پورا نہ ہوگا۔ اس لئے محترم ناظرین آ تاریخ سے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ملا مبارک جب آگرہ سے ہندوستان پہنچے شیعہ ہمسایہ میں پہنچے ٹھہرے۔ بچپن میں باپ کا انتقال ہو گیا۔ ایک سید اولاد رسول نے ان کو پالا پوسا بڑا کیا۔ اسی پرورش پر ان کو ناز بھی تھا مختلف اہلِ علم سے تعلیم حاصل کر کے یکتا روزگار

ہوئے۔ ساری عمر درس و تدریس میں صرف کی۔ خوددار ایسے تھے کہ بادشاہوں کی بارگاہ سے دُور رہے۔ مسجد میں نماز پڑھانے کے سوا کوئی شغل نہ تھا۔ دونوں لڑکے جو علم و ہنر میں چاند سورج سے کم نہ تھے انہیں کی تعلیم سے نمودار ہوئے اور مقدر نے رسائی کی بادشاہ تک پہنچایا۔ ملا مبارک کی شیعہ دوستی ابوالفضل اور فیضی کی بات بات پہ ذہانت سے لوگوں میں چرچا ہونے لگا کہ ملا مبارک رافضی ہیں[۱]۔ کچھ لوگ اس مرد پیر پہ مہدوی ہونے کی تہمت لگاتے رہے مگر اس عالم با عمل کا رویہ ذرہ برابر نہ بدلا۔ شیعوں کو سراہنا فتاویٰ میں شیعیت پہ میلان اور ایک عراقی عالم سے تعاون جن کا نام تاریخ میں نہیں ملتا صرف رجحانات پائے جاتے ہیں کہ وہ قاضی نور اللہ علیہ الرحمہ تھے۔ یہ زندگی کے آزادانہ پہلو ہیں۔ ملا پہ یہ بھی الزام ہے کہ انہوں نے اپنی لڑکی کا نکاح خداوند خاں دکنی رافضی[۲] کے ساتھ کر دیا۔ اس پُر خطر دَور میں باپ کے سایہ میں دونوں صاحبزادوں نے وہ عزت حاصل کی جو محتاج تعارف نہیں ہے اور دربارِ اکبری میں ابوالفضل و فیضی نے وہ شاندار زندگی بسر کی جو کوئی واقعہ نگار ان کو مشتی نہیں لکھ سکا۔ یہ واقعہ ابوالفضل ہی کے حساس دماغ کا ہے کہ وہ زمانہ طالب علمی میں استاد کے غیر معمولی اشفاق کا مرکز تھے اور ان کی عقل و دماغ کا امتحان یوں لیا گیا کہ بیٹھنے کی جگہ زیر فرش ایک کاغذ رکھ دیا۔ ابوالفضل کو اندازہ ہو گیا کہ سقف خانہ جھک آئی ہے یا فرش زمین بلند ہے۔

ملا مبارک کی مایۂ ناز تفسیر منبع عیون معانی جس کا صرف ذکر

۱؎ دربارِ اکبری مولفہ شمس العلماء محمد حسین آزاد صفحہ ۳۳۵ لغایۃ صفحہ ۳۳۷

۲؎ دربارِ اکبری صفحہ ۳۵۶

دربار اکبر سبحۃ المرجان وغیرہ میں ہے ہندوستان کے کسی کتب خانہ میں نہیں ہے بجز مکتبہ جدامجد ممتاز العلماء کے یہ تفسیر مُلّا نے تقیہ میں لکھی اور اپنے عہد کی تفسیر اکبر سمجھی جاتی ہے۔ دوسری یادگار (منعم حقیقی کے فضل وکرم سے) وہ قرآن شریف ہے جو مرحوم نے اپنے دستِ مبارک سے لکھا یہ مصحفِ کریم میرے کتبخانہ کا خاص مخطوطہ ہے۔ اس قرآن شریف کے خاتمہ میں مُلّا نے بسلسلۂ درود وسلام صرف آلِ رسولؐ کا ذکر کیا ہے اور اصحاب وازواج کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۹۶۲ھ ماہ رمضان میں جب نصیر الدین ہمایوں تخت وتاج دہلی کا مالک ہوا تو متحدہ ہندوستان میں تعزیہ داری کے رہے سہے جو آثار تھے وہ مضبوط ہوگئے۔ بادشاہ کو بھی عزاداری سے بہت دلچسپی تھی یہ انہماک بظاہر اس قول وقرار کی بنا پر تھا جو شاہ طہماسپ صفوی کی مہمانداری سے ۹۴۷ھ دو سلطنتوں میں تھا۔ شیر شاہ سوری سے شکست اُٹھائی جس کے بعد ہمایوں ایران آیا اور شاہی مہمان ہوا تو ہم شیر شاہ کے ایما سے اِس بزم میں مدح حضرت امیرؑ میں ولولہ انگیز اشعار پڑھوائے ہمایوں مدح اہلبیتؑ سُن کر بالیدہ ہوا اور مضمحل چہرہ پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اِس مسافرت کا سبب یہی تھا کہ طہماسپ مہمان کی مدد کرے۔ ہمایوں نے شاہ ایران کے سامنے یہ شعر پڑھا ؎

التماس از شاہ[۱] دارم کربا مخلص کند   انچہ باسلماں علی در دشت ارژن کند

شاہ نے جواب دیا۔

اگر ہمایوں بادشاہ عہد کند کہ روش ما بر ممالک محروسہ خود را بذکر

---

[۱] روضۃ الصفا۔

ساری ائمہؑ معصومین صلواۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین مزین ومشرف گرعاندمن امداد نمودہ آنحضرت جواب داد کہ الحمد للہ الی العہد مرا محبت خاندان رسالت مرکوز خاطر است۔"

یعنی ہمایوں اقرار کرے کہ اس کی سلطنت میں منبروں پہ بارہ امام چودہ معصومینؑ کے نام لیے جائیں تو میں مدد کے لئے تیار ہوں، ہمایوں نے جواب دیا کہ میں جب جھولے میں سن طفولیت میں تھا اُس وقت سے محبتِ اہلبیتؑ راسخ ہے۔

ہمایوں کے لشکر میں نمایاں سرداروں کے نام یار علی، مہر علی، کفش علی مصاحبوں کے نام گدا علی، مسکین علی، زلف علی، پنجہ علی، درویش علی، محب علی تھے۔ شیخ حمید سنبھلی سُنی عالم نے شکوہ کیا کہ:۔

بادشاہم تمام لشکر شمارا رافضی دیدم وہیچ کس را ندیدم کہ بنام یاران دیگر باشد۔

میرے سلطان! آپ کا لشکر سارا رافضی نظر آرہا ہے کوئی پیغمبرؐ کے دوسرے یاروں (خلفاء ثلاثہ) کا ہمنام نہیں ہے۔

ہمایوں کو تصویر بنانے کا شوق تھا۔ غصّے سے قلم پھینک دیا اور اتنا کہہ کر محل میں چلا گیا۔

"نام پدر کلان من عمر شیخ است[۱]"

"میرے سب سے بڑے باپ کا نام شیخ عمر تھا"

اِس حق نوازی کا نتیجہ یہ تھا کہ آزاد لکھتے ہیں:۔

---

[۱] تاریخ فرشتہ صفحہ ۲۳۷ مقالہ دوم [۲] دربار اکبری صفحہ ۸۹ عمر شیخ مرزا ہمایوں کے دادا کا نام تھا۔

ہمایوں کے عہد میں بہت ایرانی ہندوستان میں آ گئے تھے مگر تقیہ کے پردہ میں رہتے تھے مذہب ظاہر نہ کرتے تھے اور اکثر ان میں صاحب اختیار ہو گئے تھے۔

ہمایوں کی بی بی حمیدہ بانو شیعہ تھی۔ پھر جب ایرانی شیعہ ہوں تو ملک میں عزاداری کہاں بند ہو سکتی ہے۔ عبداللطیف خاں نوحانی خالص پوری دوسرے ذمہ دار مستند عالم کی تحریر ملاحظہ ہو:۔

"ہمایوں کو خاص عقیدت سیدنا امام حسینؑ سے تھی بیریا خاں نے کربلا جا کر ہمایوں کے واسطے زمرد تراشوا کر نقل ضریح مبارک بنوائی تھی اور یہ اول تعزیہ ہندوستان میں آیا یہ زمردی تعزیہ ۴۶ تولہ وزنی تھا۔ اس کی قبر پر اسم اعظم کندہ تھا علموں پر یا علیؑ اور زیر منبر یہ عبارت لکھوائی تھی 'غلام امام بیریاں خاں'"

عہد ہمایوں میں تعزیہ داری کے ثبوت میں حیدر طوطیانی کا شعر بھی مشہور ہے۔ سے

ماہِ محرم آمد و شد گریہ فرض عین ؎ گریم خوں بیاد لب تشنہ حسینؑ

ظاہر ہے کہ اہلسنت رونے کو بدعت کہتے ہیں اور شعرائے ہمایوں کے نزدیک فرض ہے۔ فافہم و تدبر

سنہ ۹۶۳ھ کے بعد جلال الدین اکبر بادشاہ نے لاہور کی بی بی پاکدامناں کے مقام غیبت بیؓ بد غزنوی کی عمارت خانقاہ میں اضافہ کیا اور چار چاہات مزروعہ بھی عطا کیئے۔ اس مزار پر سیر حاصل بحث

---

[1] دربار اکبری صفحہ ۲۳ [2] تعزیت حسین صفحہ ۱۳ مطبع تیغ بہادر سنہ ۱۹۱۲ء لکھنؤ

رسالہ الواعظ بابت ماہ نومبر ۱۹۵۶ء میں موجود ہے۔

۹۶۲ھ ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان پر حملہ کیا۔ ایرانی فوج اور سردار بہرام خان کی مدد سے آگرہ اور دہلی فتح ہوا۔ بہرام خان ایک شیعہ ترک تھا۔ (تاریخ کیمبرج ص۲۹)

بہرام خان اتالیق اکبر نے بادشاہ سے خان بابا کا خطاب پایا اور نائب السلطنت ہوئے۔ (منہ)

شہنشاہ اکبر نے اپنے بیٹے مرادخان کو مرزا خان پسر خان بابا کے ساتھ احمد نگر فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ (منہ)

فیضی نے سنسکرت سیکھ کر پہلے پہل کتب اہل ہنود کا ترجمہ کیا۔

۹۶۵ھ ۵ ربیع الاول کو زندان قسطنطنیہ کا وہ محترم اسیر جس کا اوپر ذکر آچکا ہے ایک مہینہ قید میں رہنے کے بعد دریا کے کنارے قتل کرایا گیا اور سر بادشاہ کے پاس روانہ ہوا۔ دفن وکفن میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ مکہ کے تکیہ میں دفن کرکے لحد پر قبہ بنایا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ لاش دریا میں پھینک دی گئی۔ کتب خانہ جلادیا۔[۱] اس زبردست عالم کا قلمی جہاد روضۂ بہیہ نامی علم فقہ کی کتاب ہے جو شرح لمعہ سے مشہور ہے اس کو حسن اتفاق کہتے ہیں کہ جس عالم نے متن (TEXT BOOK) لکھا وہ شہید اول اور جس نے شرح (KEY) کی وہ شہید ثانی قرار پائے۔ مسٹر والد ماجد کی صحبت کے ایک بی اے ایل ایل بی بسنج موہن دیال ولد راجہ دین دیال رئیس نوبستہ لکھنؤ نے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ

---

[۱] الدر المنثور فی الماثور وغیر الماثور۔

کیا تھا جو ۱۹۱۹ء میں زیرِ تالیف تھا۔

عہدِ جلال الدین اکبر ۹۶۳ھ سے شروع ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں شیعہ جنبہ دے کر حکومت ہند میں رہتے تھے اور شیعہ ہونا مستوجب قتل تھا۔ مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری نے فروغ حاصل کر کے حکومت سے شیخ الاسلام کا لقب لیا۔ آزاد کی لکھی ہوئی رائے ملاحظہ ہو۔

"مخدوم[1] صاحب نے شیعوں کو قید اور خاک ناکامی سے ہمیشہ چھپائے رکھا۔"

اس عہد میں سید محمد ہاشم بن میر محمود باہر کے سید قتل ہوئے۔ میر مقیم میر یعقوب شیعہ سُنّی فساد کشمیر کے ذمہ دار[2] قرار دے کر مار ڈالے گئے۔ میر حبش شیعہ ہونے کی سزا میں موت کے گھاٹ[3] اتار دیے گئے۔ میر مرتضیٰ شریفی جو نسلِ سید شریف جرجانی سے تھے جب دلّی میں رحلت کر گئے تو مسلمانوں کا قبرستان سمجھ کر لوگوں نے امیر خسرو کے قریب دفن کر دیا۔ بعد میں اعتراض ہوا کہ رافضی کا دفن سنّت وجماعت کے قریب ناروا ہے۔ ان کی لاش قبر کھود کر نکالی گئی اور دوسری جگہ دفن ہوئی۔ غرض اکبر کے تعصبات افق ہندوستان پر مریخ کی طرح قہر آلود ہیں لیکن اس مزاجِ سلطنت میں یہ تبدیلی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ نوروز[4] کی تقریب عہدِ اکبر میں بڑے طمطراق سے ہوتی تھی۔ یہ دو متضاد رعیہ تھے جو جمع نہیں ہو سکتے مگر شمس العلماء آزاد کی رائے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اکبر کا نورتن باطن میں شیعہ تھا۔ اس لئے ان کی کوشش رسم نوروز کے باقی رکھنے میں

---

[1] دربار اکبری صفحہ ۳۱۶
[2] دربار اکبری صفحہ ۲۲۳
[3] دربار اکبری صفحہ ۲۲۴
[4] دربار اکبری صفحہ ۱۵۰

رائیگاں نہیں ہوئی۔ اس عقل و دانش کے پیکر نے کسی سیاسی پہلو سے جشن نوروز منعقد کیا اور اکبر کی حکومت اور طبیعت روک نہ سکی۔ آزاد کہتے ہیں:

ابوالفضل فیضی خانخاناں حکیم[1] ابوالفتح حکیم ہمام میر فتح اللہ شیرازی وغیرہ سب دل کے شیعہ نام کے سنت جماعت تھے۔ بڑے طبقہ کے علاوہ دوسرے درجہ کے چھوٹے چھوٹے حکام بھی شیعہ تھے۔ چنانچہ حسن بن سعد اللہ صوبیدار تھے اور ان کی نسل ہمارے وطن مالوف نصیر آباد میں اب تک ہے اکبر نے اسے شیعہ عنصر کی تالیف قلب کے لیے حکم[2] دیا تھا کہ محرم کے مہینہ میں کوئی جاندار ستایا نہ جائے۔ بیرم خاں کی خدمات سلطنت مغلیہ میں اہم اس لیے تھیں کہ ہمایوں کو ایران پہونچانے میں اُن کی مدد تھی یہ سلطنت کے مدار المہام ہو جانے پر اُن کو اس عہدہ سے ہٹانے میں یہ الزامات تھے کہ وہ کھلم کھلا شیعہ تھے اور انہوں نے مخصوص عہدوں پر شیعوں کو پہونچانا شروع کیا تھا۔ آخر کار

سنہ ۹۶۹ھ میں بیرم خاں حج کے لیے جاتے ہوئے افغانی مسلمانوں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ اس صدی کے آخر میں ایک سُنّی عالم احمد بن نصر اللہ دیلمی کسی شیعہ فقیر کی صحبت[3] میں راہِ راست پر آئے اور مذہب شیعہ سچے دل سے اختیار کیا۔

سنہ ۹۹۶ھ دار الخلافہ لاہور میں اکثریت کے ہاتھ سے وہ بھی شہید کر دیئے گئے۔ تاریخ الفی (ایکہزار برس کے حالات) ان کا قلمی شاہکار ہے ممدوح کا حال ہم نے عجائب الانوار جلد اوّل میں نذر قرطاس کیا ہے۔

---

[1] دربار اکبر صفحہ ۵۹۶ طبع لاہور سنہ ۱۸۹۸ء [2] دربار اکبر صفحہ ۱۱ [3] مجالس المومنین

اس صدی میں شیعیان ایران نے کامل آزادی حاصل کی چنانچہ شاہ طہماسپ کے حال میں ہے کہ ـــــــ ترجمہ ملاحظہ ہو:-

"اس عہد[1] میں ایران کے عام رہنے والے سنت و جماعت تھے اور گروہ شیعہ تعداد میں کم مرتبہ میں پست تقیہ میں تھے۔ شاہ طہماسپ نے مذہب جعفری کو رواج دیا اور بارہ اماموں کے راستہ کو صاف کیا۔"

پھر تو یہ نوبت پہنچی کہ شیخ علی بن عبد العالی کرکی عاملی نے سب سے پہلے جلوس تبرّا شریف نکالا۔ ان کے حالات میں ہے وہ پیادہ اور سوار ہو کے کبھی نہیں نکلے مگر ان کے ساتھ کچھ نوجوان دشمنان خدا کے رحمت الٰہی سے دور رہنے کی مخصوص صدا بلند کرتے تھے اور اس طبقہ کا جو پیرو ہو اس سے اظہار بیزاری کرتے تھے۔"

شاہ حسین طہماسپ اسی صدی میں افغانیوں کے حملہ سے شہید ہوئے ان کی اولاد کو بھی تہ تیغ کیا۔

سنہ ۱۰۰۱ھ ۱۷ ذیقعدہ کو ملا مبارک نے رحلت کی اور اکبر آباد میں دفن ہوئے۔ کاش نشانِ قبر باقی ہوتا اور شہید شوستری علیہ الرحمہ اور سرکار ناصر الملت کی قبر کے بعد اہل ایمان ان کی قبر پر فاتحہ پڑھتے۔ ملا مبارک نے مرتے دم تک گانا سننا نہیں، وہ سماع کو جائز نہیں سمجھتے تھے

(دربار اکبر صفحہ ۲۵۴)

سنہ ۱۰۰۱ھ فیض حسین مورخ حالات دکن میں لکھتا ہے کہ سلطان محمد قلی قطب شاہ کو خیال ہوا کہ شہر حیدر آباد کو امام ضامن و ثامن حضرت رضا غریب کے شہر خراسان کا ایسا بنوانا چاہیے۔ اس ارادے میں

---

[1] روضۃ الصفا جلد ہشتم

"چار مینار" کی عمارت تین لاکھ روپیہ صَرف کر کے بنوائی۔ یہ عمارت ۶۲ ہاتھ اونچی اور اس پر مسجد اور شفاف پانی کا حوض بھی ہے۔ عمارت کی جانب ایک مدرسہ اور مدور حوض جس میں مصنوعی ہاتھی اپنی سونڈ سے اور غصہ سے بھرے ہوئے شیر کے دہن سے فوّارے پوری طاقت سے پانی پھینکتے ہیں۔ سالِ تعمیر یا حافظ کے لفظ سے واضح ہے۔[1]

فاضل مورخ نے جس مسجد اور حوض کا پتہ دیا ہے وہ جہاں تک اہلِ دکن سے سُنا جاتا ہے بعد کی تعمیر ہے جس وقت اورنگ زیب نے دکن فتح کیا اور چار مینار کو ہو بہو تعزیہ کی نقل پایا تو کہا در و دیوارہم رافضی است اور چار مینار کھودنے کا حکم دیا۔ ایک شب میں وزیر پُر تدبیر نے مسجد تیار کرادی اور دوسرے روز جواب میں عرض کیا کہ "بالا مسجد ہم است۔" اس طرح یہ عمارت محفوظ رہی۔ امام حسینؑ کے نام پر امام باڑہ آصفی اور چار مینار دو عمارتیں ہیں جو اپنا جواب نہیں رکھتیں۔

گیارہویں صدی

۱۵۹۲ء تا ۱۶۸۸ء

سنہ۔۔۔ھ سید نجم الدین نے جو جناب غفران مآب کے مورثِ اعلیٰ تھے اودیا نگر فتح کیا اور اُن کے فرزند نے اپنی بہادرانہ خدمات سے اشرف المخلوقات کا لقب حاصل کیا۔

---

[1] تاریخ گلزار آصفیہ مطبع محمدی حیدرآباد دکن صفحہ ۔۔۔

اسی سال ۱۰ صفر کو ابوالفیض فیضی نے رحلت کی اور علم و ادب کا آفتاب درخشندہ مغرب ارض میں پنہاں ہو گیا۔ سنیت کے تعصب کا عملی ثبوت اس صدی میں یہ ہے کہ نویں محرم کو روز سرور سمجھ کر قلعہ شاہی کا سنگ بنیاد نصب ہوا اور مسلمانوں نے فرزند رسولؐ کے غم کو حقیر سمجھا۔[1]

گول کنڈہ میں قطب شاہی سلطنت قائم ہوئی اور فرمانروایان دکن نے زہد و ورع کی عالمانہ زندگی میں اپنی عمر ختم کر دی۔ ان کے مقدس مزار دکن کی وسیع زمین پر اسلامی فن تعمیر کے بہترین نمونے موجود ہیں اور ہر لوح مزار پر آیۃ الکرسی تا ہم فیہا خالدون اور سورہ قدر سورۂ توحید نادعلی نسخ و نستعلیق کے کتبے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مشرقی کمالات اسی جگہ دفن ہیں۔ سربلند گنبد بقعۂ نور معلوم ہونے کے ساتھ دنیا کی مشہور عمارتوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اس علم پرور انتظام نے علم و حکمت کی تربیت کے ساتھ اردو زبان کو فروغ دیا اور مرثیہ کو غیر فانی عروج حاصل ہوا۔

بیجاپور کا شاہ مرزا اپنی زندگی کا مال مرثیہ گوئی[2] قرار دیئے ہوئے تھا اور دسویں محرم کو عشرہ کے دن مرثیہ نظم کر رہا تھا کہ ایک ظالم دشمن اہلبیتؑ نے خنجر سے شہید کر دیا اور اس عقیدت کیش کو درگاہ مرتضیٰ قادری میں سپرد خاک کیا۔ عہد اکبر میں دوسرے شیعہ عالم مرزا فولاد بیگ بھی شہید ہو گئے۔[3] ایک چشمۂ علم و کمال تھا جو مسدود ہو گیا۔

---

[1] حل غوامض صفحہ ۴۲ از حافظ عبداللہ بلگرامی طبع کانپور ۱۸۸۲ء
[2] مقالات ہاشمی طبع حیدر آباد
[3] کنز المعرفہ صفحہ ۲۰۲ مؤلفہ حکیم امجد علی طبع ۱۳۰۸ھ

۱۰۱۱ھ ابوالفضل کی شہادت واقع ہوئی ۔ ان دونوں محترم بھائیوں کا مدرسہ بارہ ضلع بجنور میں تھا ۔ اور ایک بھائی کی قبر بھی قصبہ مذکور میں ہے ۔ اور گرد و نواح میں آج تک عورتیں کند ذہن بچوں کو ان کی خاکِ قبر چٹاتی ہیں ۔

اس صدی میں جناب غفران مآب علیہ الرحمہ کے مورث اعلیٰ سیّد زکریا نے نصیر آباد فتح کیا اور ان کے بیٹے سیّد سلیمان کی پرتاپ سنگھ راجپوت نے غیر معمولی عزت و تکریم کی ۔

۱۰۱۹ھ ۱۸ رجمادی الاول مشہور عالم قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ آگرہ میں خار دار دُرّہ کی ضرب سے شہید کئے گئے[1] اور ہندوستان کے حلقۂ عقیدت میں شہید ثالث کے لقب سے مشہور ہوئے ۔ ملک میں تشیع کا یہ پہلا چراغ تھا جو حکومت کے ہاتھ سے گل ہوا ۔

اس صدی کی ابتدا میں نور جہاں شیعہ ملکہ نے اپنے سکہ پر یہ عبارت کندہ کی حکمت[2] علیہ عالیۃ عصر علیا نور جہاں بادشاہ ۔ عہد جہانگیر میں میر خاں ابن امیر خاں میر میراں[3] نے ایک لاکھ روپیہ خدمت سلطان میں پیش کر کے اپنے نام میں الف بڑھا کر امیر خاں کیا ۔

۱۰۳۷ھ نور جہاں بنت مرزا غیاث بن خواجہ محمد شریف وزیر شاہ طہماسپ ملکۂ جہانگیر نے رحلت کی (منہ) زیورات میں جہانگیری نور جہاں کی یادگار ہے ۔ اس کی بنیاد مجھے بعض ثقات سے یہ معلوم ہوئی

---

[1] آئین اکبری جواہر السید احمد خاں ۔ [2] مراۃ آفتاب نما ۔

کہ جب شہید ثالث علیہ الرحمہ کے واجب القتل ہونے کے محضر پر جہانگیر دستخط کر رہا تھا اُس وقت نورجہاں نے ہاتھ پکڑ لیا۔ بادشاہ نے آگ کا انگارہ نورجہاں کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اور ملکہ صدمہ سے بیہوش ہوگئی۔ جب ہوش آیا تو کلائی پر آبلہ تھا۔ علاج ہوا اور زخم بھرنے کے بعد اس حصۂ جسم پر سفید دھبّہ پڑ گیا۔ بادشاہ نے سنار طلب کئے کہ ایک زیور ایسا ایجاد کرو جس سے یہ سفیدی چھپ جائے۔ اُس وقت جہانگیری ایجاد ہوئی۔

(نوٹ) مرقومۂ بالا تاریخ میں صراحت کے ساتھ فاضل مورخ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں شخص ذوالفقار خاں کی طرح ہند کے بادشاہ گر کہلاتے تھے اور مذہب کے شیعہ تھے۔ (صفحہ ۳۸ تاریخ کہرج)

سنہ ۱۰۳۸ھ "کوہ نور" مشہور ہیرا خربوزے کے کھیت سے ایک کسان کو ملا اور میر جملہ نے (جن کا اصلی نام[1] سید محمد سعید تھا) شاہجہاں بادشاہ کے سامنے[2] بطور نذر پیش کیا۔

سنہ ۱۰۴۰ھ تاج محل آگرہ کی تاریخی عمارت میر عبد الکریم[3] شیعہ کی نگرانی میں ۸ سال میں بن کر تیار ہوئی۔

سنہ ۱۰۵۲ھ عہدِ شاہ جہاں میں لاہور کا شالامار باغ شیعہ شخص نواب خلیل اللہ خاں کی نگرانی میں تیار ہوا۔ دہلی کی مسجد جامع بھی اسی شخص کے زیر اہتمام تیار ہوئی۔

سنہ ۱۰۶۹ھ میر جملہ سپہ سالار اورنگ زیب حاکم بنگالہ ہوئے۔

---

[1] تاریخ جدولیہ صفحہ ۳۲۳ [2] رسالہ مومن بدایوں بابت نومبر ۱۹۵۵ء

[3] تاریخ جدولیہ صفحہ ۴۸۷

ـــــ کی حدود میں شاہزادی زیب النساء مخفی نے پردہ میں رہ کر وہ ادبی خدمات انجام دیں جو تاریخ شیعہ میں یادگار ہیں۔

۱۰۸۶ھ ۱۳ رجب علامہ سید ہاشم بحرینی ایک مشہور شیعہ عالم کو تیز بخار آیا۔ اور دعائے نور پڑھنے سے دفعتہً تپ اتر گئی۔ اور برکاتِ دعا نے لوگوں کو حیرت زدہ کر دیا۔

بارہویں صدی
۱۶۸۹ء تا ۱۷۸۵ء

۱۱۱۴ھ سے پہلے علامہ جزائری کو شوستر کی کھدائی میں زرد چٹوا پتھر ملا جس پر پورا کلمہ طیبہ مع علی ولی اللہ لکھا تھا۔ (شفا الصدور)

۱۱۱۸ھ محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر نے نوّے برس کی عمر میں احمد نگر میں انتقال کیا اور جو وصیت نامہ چھوڑا وہ اُن کے آخری عقائد کی تصویر ہے۔ اِس تحریر شاہی میں بارہ وصیتیں ہیں جن کو بارہ اماموں کے ہم عدد ظاہر کرتے ہوئے یمن و برکت خیال کیا ہے۔ وصیت نامہ طویل ہے جو سب سے پہلے قدیم مخطوطات مراۃ البلاد مولفہ میر ہاشم علی رضوی میں میری نظر سے گذرا۔ پھر ادبی کتابوں اور جنتریوں سے نشر ہوا اور کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اِن وصایا میں ورثہ کو مرۃ خاک شفا قبر میں رکھنے کی ہدایت ہے۔ واقعۂ کربلا سے آج تک ڈھونڈنے پر بھی کوئی مسلمان ایسا نہ ملے گا جو اس عقیدت کا ثبوت دے

لہ نزہتہ الابرار و نہار الافکار۔

سادات کے ساتھ حسنِ سلوک کی بھی وصیت نامہ میں ہدایت ہے اور دوسری وصیت کا مطالعہ کرنے سے رجحانات تشیع میں قوّت پیدا ہوتی ہے۔

دوم آنکہ کتابت قرآن در فرقہ شیعہ حرمت دارد بکفن ما محتاج صرف نہ کنند ا۔ دوسرے یہ کہ قرآن شریف کی لکھوائی اور اجرت لینا مذہب شیعہ میں حرام ہے اس لئے یہ روپیہ تجہیز و تکفین میں صرف نہ ہو۔ آخری الفاظ یہ ہیں "بورود مبارک اثنا عشر اختتام یعد وازدہ وصیت شد" یہ الفاظ دلیل ہو سکتے ہیں کہ شاہ مرحوم کو اپنی حیات کے آخری دور میں شیعہ ماحول نے اس قدر متاثر کر دیا تھا کہ وہ دلی خیالات کو ضبط نہ کر سکے یا اس میں بھی کوئی سیاست ہو بارہہ کے شیعہ تعلقدار یادش بخیر جس جس کا وطن قصبہ دیہات پر زمینداری ضبط ہونے سے پہلے تک قابض رہے وہ اورنگ زیب ہی کا عطیہ تھا۔ ممکن ہے اورنگ زیب کا انقلاب ذہنیت نعمت خوان عالی میر مغشی کی تمام عمر کی پہلو نشینی کا پھل ہو لیکن سلاطین کے لئے قرآنی آواز الالی وقت عصیت قبل پٹ بھی ملحوظ رہے۔

سنہ ۱۱۲۱ھ میں نعمت خوان عالی نے رحلت کی وہ فتح گولکنڈہ کے وقت اورنگ زیب کے ساتھ تھے۔ دکن ہی میں ان کا انتقال ہوا۔ حیدرآباد کے قبرستان دائرہ میر مومن دروازے کے متصل دفن ہوئے اور بقول محتبر یہ ہے کہ ان کی قبر صحن مسجد میں جانب جنوب مغرب ہے۔

سنہ ۱۱۲۲ھ کے بعد حسین علی بارہہ کے سید حاکم صوبہ بہار اور سید عبداللہ بارہوی کو حکومت الہ آباد سپرد ہوئی۔

اسی سال میر جملہ نے ڈھاکہ میں انتقال کیا۔

حسین علی ہمراہ بادشاہ نظام الملک سے لڑنے دکن روانہ ہوئے اور راہ میں قتل ہوئے۔

۱۱۲۵ھ اس سال سید عبداللہ اور سید حسن دو[۲] شیعوں نے بڑی عزت حاصل کی اور ہر دو اشخاص ہندوستان میں بادشاہ گر تسلیم کئے گئے۔ ان کے انتخاب سے سلطان مالک تخت و تاج ہوتا تھا۔

۱۱۳۱ھ کے بعد سید عبدالمجید خاں کو محمد شاہ نے دیوان خالصہ کے عہدہ پر سرفراز کیا اور میر محمد عزمل اور میر محتشم علی حشمت ابن میر باقی جو شیعہ شعرا اور ادباء میں تھے اُن کو منصب عطا ہوا محمد شاہ کے وزراء میں سید عنایت اللہ خاں تھے جن کو سید کاظم مشہدی کی سگی بہن بیاہی ہوئی تھیں اور یہ شیعہ عنصر کا دور قابلِ ذکر ہے یہ گھرانہ صاحب تصنیف بھی تھا۔

۱۱۳۲ھ سید حسین بادشاہ گر عہد محمد شاہ میں قتل کر دیئے گئے اور عبداللہ قید میں مدت تک رہے۔

منعم الدولہ نواب محمد نعیم خاں علیگ یادن حراری کے بارے میں تاریخ میں ہے:-

نجفتہائے فاخرہ پالکی ونالکی جھالر دادی ممتاز بود۔[۱]

۱۱۳۳ھ سید عبداللہ کو شاہ تیمور کی لڑائی میں شکست ہوئی۔

۱۱۶۸ھ کے بعد بزمانہ عالمگیر ثانی لکھنؤ میں التو تاش خاں نے زیارت گاہ قدم رسولؐ کی بنیاد قائم کی۔ اس وقت لکھنؤ میں نہ شہریت تھی نہ کوئی قابلِ ذکر خصوصیت۔

قدم رسولؐ کی مجاورت کے لئے اپنے دو[۲] بیٹے چھوڑ کر دلی چلے گئے اور

---

[۱] گلشن از سید محمد ایم اے حیدرآباد دکن [۲] فسانہ کمال میر احمد حسین رضوی

دہیں ان کا انتقال ہوا قبر مزار نظام الدین اولیاء کے عقب چوسٹھ کھمبے میں
موجود ہے۔ میر اشرف اور میر مشرف ویرانہ میں رہتے تھے میر اشرف نے
اشرف آباد بسایا جہاں سے رکن العزاء حاجی میر نواب علی صاحب مرحوم کا
تعزیہ ۱۲ ربیع الاوّل ۴ بجے دن کو اٹھتا ہے۔ میر مشرف نے اپنی قیام گاہ کا
نام نولبستہ رکھا قدم رسولؐ نولبستہ میں اب بھی موجود ہے یہ لکھنؤ کی پہلی
زیارت گاہ ہے جس کے بعد سلاطین اودھ اور امراء لکھنؤ نے نجف،
جنت البقیع، درگاہ زینبیہ، مشہد سامرہ، مسجد کوفہ، فرزندان مسلمؑ، روضہ حر،
مسجد حنانہ کی نقلیں بنوائیں اور کوئی جگہ باقی نہ رکھی جس کی شبیہ اولوالعزمی
سے تیار نہ کی ہو ان میں ہر زیارت گاہ کے تاریخی اور ادبی حالات عصر حاضر کے
ادیب شیخ تصدق حسین صاحب بی اے، ایل ایل بی حنفی شیعہ جرائد میں تحریر
کر چکے ہیں۔ اور مدرسۃ الواعظین کے آرگن الواعظ میں زیادہ سے زیادہ
ذخیرہ موجود ہے۔

سنہ ۱۱۷۰ھ میر جعفر کو بنگالہ، بہار، اڑیسہ کا نواب بنایا گیا۔

سنہ ۱۱۷۴ھ میر قاسم حاکم بنگالہ ہوئے اور اپنا دارالحکومت مرشد آباد سے
مونگیر قرار دیا

اس صدی میں حاجی ابو القاسم طہرانی سے عبد الحسین فقیہ طہرانی نے بیان
کیا کہ آپ نے سفر حلہ میں ایک درخت کے قطع کردہ دونوں حصوں پہ لا الٰہ
الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ لکھے دیکھا۔ (شفاء)

سنہ ۱۱۷۴ھ کے بعد مجد الدولہ سید عبد الاحد خاں ابن سید عبد المجید خاں
شیعہ مدبر کو شاہ عالم نے دہلی میں نائب دیوان خالصہ کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

سنہ ۱۱۷۷ھ میر قاسم نے ۱۴۸ انگریزوں کو قتل کیا۔

سنہ ۱۱۷۵ھ حیدر علی کپتان فوج راجہ میسور کے تحت حکومت پر بیٹھے۔

۱۱۸۰ھ حیدر علی نے کرناٹک فتح کیا۔

۱۱۸۷ھ عہد شجاع الدولہ میں قاضی محمد عاقل نے مسجد[1] جو رعیا کی مرمت کی اور ان کی اجازت سے باقی شاہ فقیر نے مسجد کی خدمت اپنے ذمہ لی اور پہلوئے مسجد کے چبوترہ پر تعزیہ رکھا۔

۱۱۹۳ھ ۲۲ رمضان کو جناب غفران مآب علیہ الرحمہ نے اپنے زمانہ طالب علمی میں اقتران مشتری از راس ذنب دریافت کیا جو چودہ برس کے بعد ہوتا ہے اور اس ساعت میں جو مراد مانگے وہ پوری ہوتی ہے۔ آپ نے تحت قبہ حرم سید الشہداء روحی فداہ میں تا ظہور قائم آل محمد اپنی اولاد میں اجتہاد باقی رہنے کی دعا کی۔

اس صدی میں جو شیعہ اکابر قتل ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) میرزا ہاشم ہمدانی شیعہ عالم اور طبیب[2] جو اعلم زمانہ تھے۔ لشکر روم کے حملے سے اپنے وطن ہمدان میں شہید ہوئے۔ ان کی وفات سے دنیائے طب اور اقلیم ادب کو صدمہ ہوا۔

(۲) مولانا میرزا مہدی نسابہ آپ شیراز کے شیخ الاسلام تھے۔ فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ افغانیوں کے فتنہ میں قتل ہوئے۔

(۳) مولانا محمد علی ابن محمد امین سکاکی شیرازی اسی فتنہ میں شہید ہوئے۔

اسی صدی میں سلطنت اودھ کی بنیاد قائم ہوئی اور ہندوستان میں شیعہ حاکم ہوئے۔

فروگذاشت اس کے علاوہ کتنے شیعہ علماء فضلاء ظالم حکومتوں کے

---

[1] تاریخ اودھ جلد ۵ صفحہ ۳۲۰ [2] معجم السامانی تراجم العلماء صفحہ ۲۲۳

ہاتھ سے تہ تیغ ہوئے۔ جن کے سانحاتِ وفات ان محدود صفحات میں درج نہیں ہو سکتے۔ شیعوں کی مکمل قربانی سے قوم کو تعارف کرانا آسان نہیں ہے۔ ربیع ابن ابی معمک ابن ابو سعید کا کعبہ میں سولی دیا جانا امیر دوست محمد کی مسجد الحرام میں شہادت مالک اشتر کو مہمان کر کے شہد میں ملا کر زہر دینا اور محمد ابن ابی بکر کی عبرتناک شہادت اپنے مقام پر درج نہ ہو سکی۔

۱۱۹۵ھ ساتویں محرم کو علم اٹھ رہے تھے۔ آپ سرِ راہ اپنے بالاخانہ پر خاص خاص مریدوں کو لئے بیٹھے تھے طرفین سے کچھ کچھ طعن و تعریض ہوئی۔ وہ کسی جاہل کو ناگوار ہوئی۔ فولاد خاں سخت جاہل تھا اس نے یہ حرکت کی کہ رات کے وقت مٹھائی کی ٹوکری ہاتھ میں لئے آیا۔ دروازہ بند تھا۔ آواز دی۔ ظاہر کیا کہ مرید ہوں۔ نذر لے کر آیا ہوں۔ وہ باہر نکلے تو قرابین ماری گولی سینہ کے پار ہو گئی وہ تو بھاگ گیا مگر یہ زخمی ہو گئے۔ مؤلف کے استاد فرماتے تھے کہ گولی کا ٹھے کا نشان ہم نے بھی دیکھا کیول رام کے کوٹھے پر دیوار میں اب تک موجود ہے۔ تین دن تک عالم اضطراب میں لوٹتے تھے اور اپنا ہی شعر پڑھتے تھے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدہ

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شاہ عالم کو خبر ہوئی بعد تحقیقات کہلا بھیجا کہ قاتل نہیں ملتا نشان بتائیں تو ہم سزا دیں جواب میں کہا کہ فقیر کشتہ راہِ خدا میں قاتل ملے تو

۱؎ عیون السعال ص۱۹۸

آپ مزار دیں یہاں بھیج دیں۔ آخر دسویں کو شام کے وقت انتقال کیا۔
بہت لوگوں نے تاریخیں کہیں مگر درجۂ اوّل پر میر قمر الدین منّت
کی تاریخ ہے۔

"عاش حمیداً مات شہیدا"

دلّی میں چتلی قبر کے پاس گھر ہی میں دفن کر دیا۔ اب خانقاہ کہلاتی
ہے قبر پر انہیں کا شعر لکھا ہے سے

بلوح تربت من یا فتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقبول را جز بے گنہے نیست تقصیرے

حکیم قدرت اللہ خاں قاسم نے اپنے تذکرہ میں تسلیم کیا ہے کہ مرزا صاحب
اپنے کلام میں اکثر اشعار حضرت علیؑ کی مدح میں کہا کرتے تھے۔ اس پر بگڑ کر
کسی سُنّی نے یہ حرکت کی۔ (ص ۱۴۲ آبحیات)

مرزا کا ہوا قاتل جو اک مرد شوم | اور ان کی ہوئی خبر شہادت کی عموم
تاریخ از روئے درد پرسش کے کہی | سودا نے کہا ہے جان جاناں مظلوم

۱۱۹۵ھ دریائے گومتی پر نواب آصف الدولہ نے اپنے حکم سے
پل بنوایا جو انگریزوں کے دور تک رہا۔ لارڈ ہارڈنگ کی حکومت
نے اس کو منہدم کر کے دوسرا پل بنایا۔ جو ۱۹۱۴ء میں بن کر تیار ہوا۔
اس پل پر جو پتھر ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ پہلی تعمیر ۱۷۸۰ء
مطابق ۱۱۹۴ھ ہے۔

تیرھویں صدی
۱۷۸۶ء تا ۱۸۸۳ء

۱۲۰۳ھ فروغ شیعیت کا سب سے بڑا منتظر امام باڑہ اور

مسجد اور باؤلی نواب آصف الدولہ بہادر کی تعمیر ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ شہر میں کال پڑا اور پانی نہ برسنے سے رعایا اناج کو ترسنے لگی۔ غریب پرور نواب نے امام حسینؑ کے نام پر بہت بڑی عمارت بنانے کا ارادہ کیا اور دریائے گومتی کے کنارے رومی دروازہ امام باڑہ کا پھاٹک قرار دے کر عزا خانہ تیار ہوا جو دنیا میں بڑے امام باڑے کے نام سے مشہور ہے۔ سن تعمیر آستانِ شہید ابن شہید ہے۔ اس کو دیکھنے کے لئے ساری دنیا کے لوگ آتے ہیں۔ اتنی بڑی چھت اور غلام گردش نہ کسی عمارت میں ہے اور نہ ایسی بھول بھلیاں نیچے تہہ خانے میں اور کوٹھے پر آج تک نہ کوئی معمار نہ بنا سکا۔ کفایت اللہ نامی معمار کی یہ صنعت ہے جو ایران کا باشندہ تھا۔

۱۲۰۸ھ نواب آصف الدولہ بہادر مرحوم نے جناب غفرانمآب سید دلدار علی صاحب قبلہ مجتہد لکھنوی کے اشارہ پر حلہ سے نجف میں پانی پہنچانے کے لئے ۷ لاکھ روپیہ کے صرفہ سے نہر بنوانا شروع کی۔ اس نہر کا اس زمانہ کی تاریخ اور ادب کی کتابوں میں برابر تذکرہ ہے۔ خادم ستد بلوی تحریر فرماتے ہیں:-

اور ایک بڑا کار نواب سے یہ ہوا کہ زمین نجف شریف میں جو کہ فرات سے ایک نہر کوسوں کے فاصلہ سے حفر کر کے شہر کوفہ کے قریب پہنچائی۔ سنتے صبح سے شام تک وہاں پکارا کرتے تھے۔ یا ابا ماء الھند یہ ماء الھندیہ (تاریخ جدولیہ ص۱۴۱)

دوسرے سنی مورخ نجم الغنی رامپوری نے تاریخ اودھ میں آصف الدولہ بہادر کا ذکر کرتے ہوئے اس نہر پر توجہ کی ہے اور

آصف الدولہ کے مرثیہ وفات کے اس مصرعہ سے جو میر محمد اجمل الہ آبادی کا نتیجۂ فکر ہے۔

بمشہد نہرے آورد آں یگانہ   کہ باشد یادگارش در زمانہ

دھوکا ہوا ہے کہ یہ نہر عراق میں تھی یا ایران میں۔ وہ لفظ مشہد کے معنی شہر طوس اور خراسان سمجھے اور ان کو یہ نہ معلوم تھا کہ ہر مقتول کی قبر شریف اور مزار کو عربی قواعد کے لحاظ سے مشہد کہتے ہیں۔ اور کربلائے معلیٰ سے نجف جانے والی سواریاں "مشہد مشہد" کہہ کر مسافروں کو اپنی طرف بلاتی ہیں۔ پرانے زمانہ کے مشہور اور مقبول شاعر میاں فصیح المتوفی فی حدود ۱۲۳۰ھ کا یہ شعر اسی نہر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ہم نے نہ سنا تھا یہ سلف سے کبھی اب تک
برسات تو ہو ہند میں سیل آئے عرب تک

عماد الدین اصفہانی معاصر نے تاریخ جغرافیائے کربلا میں اس نہر کی بابت سوا سو ہجری میں بنیاد پڑنے کا ذکر کرتے ہوئے "نہر ہندی" سے یاد کیا ہے۔ جہاں تک میری ناچیز تحقیق کا تعلق ہے اس نہر کی پہل نوابی میں آصف الدولہ کے ہاتھ سے ہوئی۔ اور کام پورا شاہان اودھ کے زمانہ میں ہوا۔ اور تکمیل کا وہی مبارک سال ہے جس میں شاہان اودھ کے سرمایہ سے ایوان طلا تیار ہوا اور حرم اقدس کے دروازوں پر چاندی منڈھی گئی۔[1]

---

[1] یہ الفاظ جناب مفتی میر عباس صاحب قبلہ مرحوم کے ان خطوط سے ماخوذ ہیں جو وہ اپنے استاد جناب سید العلماء رئیس مکان کی طرف سے علماء نجف کو لکھتے تھے چنانچہ ایک خط کا فقرہ سرنامہ یہ ہے فی کتاب المخبر بنوح لبعض بزارع الزمان وتتمیم امر النهر و تقضیض الباب وتذهیب الایوان علی لسان سید العلماء دوام ظلہ ما دامت الارض والسماء
صہ۳ کلی محمود

۱۲۱۲ھ یمین الدولہ ناظم الملک نواب سعادت علی خاں بہادر جنگ فرمانروائے اودھ نے اس سال شہر لکھنؤ کی تمام شکستہ مسجدوں کی مرمت کرادی اور اپنا گھر بہشت میں بنالیا۔[1]

مرزا جانجاناں مظہر دہلی کے رہنے والے پرانی تہذیب کے مجسمہ تھے گردوپیش کے تعصب نے ان کے عقائد کو پردۂ خفا میں رکھا تھا۔ شاعر تھے اس لیے ان کی آزاد خیالی دب بھی نہ سکتی تھی کچھ لوگ ان کی روحانیت دیکھ کر مرید بھی ہوگئے تھے۔ انشاء اللہ خاں کو جو سادات سے تھے اس باکمال کے دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ جامع مسجد کے قریب کیول رام کے مکان سے قریب رہتے تھے۔ بعد اشتیاق آئے اور یہ شان دیکھی۔ "معزی الیہ ۔۔۔ با پیراہن و کلاہ سفید دوپٹہ ناسپاتی رنگ بصورت سموسہ بردوش گذاشتہ اند بکمال ادب سلامے برایشاں کردم ازفرط عنایت و کثرت مکارم اخلاق کہ شیوہ ستودہ بزرگان خدا پرست است بجواب سلام ملتفت شدہ برخواستند وسراپا بے لیاقت مرا در کنار گرفتہ بہ پہلوئے خود جا دادند۔"

آزاد نے بھی اس فارسی کا ترجمہ نہیں کیا اور میں بھی مفہوم کو ذوق سلیم ناظرین پر چھوڑتا ہوں۔ ۷۹ برس کی عمر میں تالیف کا شغل جاری تھا اساتذہ کے منتخب اشعار جمع کیے۔ خود ان کا ایک شعر یہ ہے ؎

دکرد مظہر ما طاعتے و رفت بخاک
نجات خود بہ تولائے بوتراب گذاشت

---

[1] مرأۃ البلاد مخطوطات

جب تک زمانہ کو ان کی ادبی خدمات یاد رکھیں یہ شعر زبانوں پر رہے ہوں تو سُنّی پر علیؑ کا ہوں دل سے غلام

خواہ ایرانی کہو تم خواہ تورانی مجھے

۱۲۱۴ھ میں سلطان ٹیپو انگریزوں کی فوج سے شہید ہوئے۔ اس مجاہد حق کا جنازہ جس طرح اٹھایا گیا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آخری حالات میں شیعیت کی جھلک تھی Meadows Tailor میڈوز ٹیلر انگریزی مورخ کے بیان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ جلوس (مشایعت) محل سے آہستہ آہستہ نکلا۔ علماء خوش الحانی مگر دھیمی آواز اور غمزدہ لہجہ میں وہ آیات (قرآن) اور دعائیں پڑھ رہے تھے جو میت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ (جنازہ آگے بڑھا تو سنجیدگی سے بھرپور قرأت شروع ہو گئی۔ اہل علم اپنے ہوا میں اڑتے ہوئے لبادے Flowing Robes عبائیں زیب تن کئے ہوئے میت کے صندوق Coffin کے آگے آگے تھے اور یہ آیت (Verse) جو ان حضرت کی زبانوں پر جاری تھی اس کو وہ سب لوگ دہرا رہے تھے جو صندوق میت کے ارد گرد تھے (Tippu Sultan) یہ معلوم ہے کہ حضرات اہل سنت کے جنازے کے ساتھ چارپائی پر آگے جیسے ہیں اور سورہ رحمٰن و دعائے عدیلہ وغیرہ راہ میں کچھ نہیں پڑھا جاتا۔ یہ شیعہ احادیث کا حکم ہے کہ جب فبای آلاء ربکما تکذبان پڑھو تو حاضرین کہیں لا بشئی من الائک رب | ترجمہ: اے میرے پروردگار ہم کسی چیز کی تیری

لہ تاریخ جغرافیہ کربلا صفحہ فارسی

نعتوں میں سے تکذیب نہیں کرتے۔ انگریزی مورخ نے اسی مقصد کو اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے۔

۱۲۱۶ھ ۱۸ ذی الحجہ کو بدھ کے دن عتبات عالیات عراق پر سعودی حکومت نے ۲۰ ہزار فوج سے حملہ کیا اور کربلا کی محترم زمین پر چھ سو شیعہ نجدیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ مظلوم نینوا کا خزانہ حملہ آوروں نے لوٹا۔ اس صدی کے آغاز میں سلطان محمد قاچار نے گنبد روضہ مظلوم کربلا پر سونا چڑھوایا۔

۱۲۲۰ھ ہندوستان کے ایک دریا دل امیر حاجی محمد محسن ولد حاجی فیض اللہ پسر آقا فضل اللہ نے شیعی مفاد کے لئے وقف محسنیہ ہوگلی (بنگال) میں قائم کیا۔ یہ ہند و پاک کا سب سے بڑا وقف ہے۔

غفرانمآب سرزمین لکھنؤ کے پہلے مجتہد مولانا سید دلدار علی صاحب قبلہ نصیر آبادی کے مبارک قدم لکھنؤ میں آئے۔ ان کے سامنے جہالت کا وہ سیلاب تھا جس میں سنی شیعہ برابر سے ڈوب رہے تھے۔ آپ نے حکومت اودھ کو پشت پناہ بنا کر صحیح اسلام کی تبلیغ شروع کی اور لکھنؤ کی اجاڑ زمین کو مرکز علم بنایا۔ سالار مسعود غازی کی گانے، شیخ سدو کا بکرا، بی بی گنج کا روٹ، میاں جلال کے کونڈے پرانی رسموں کو روکا، بھنگ پینے کے خلاف تقریریں کیں اور اپنی روحانیت سے جو قدم اٹھایا کامیاب ہوئے۔ آپ ایک بار تعین غیبی کی آواز پر رائے بریلی کے ضلع سے باپ دادا کا پیشہ کھیتی باڑی چھوڑ کر عرب اور عجم کی تھالیوں سے اکیلے اس وقت کی

ملہ اہلسنت کے ایک ولی جن کا سنہ ۵۶۲ھ میں وصال ہوا۔

سواریوں پر گذرتے ہوئے برسوں کی ریاضت میں محنت کا پھل پا کر اپنے دلیس میں آئے زمانہ ساز گار تھا تو قدرت نے اولاد بھی دی اور بیٹیوں کے ماسوا پانچ بیٹے عطا ہوئے جو اپنے کمالات میں ایک سے ایک بہتر تھا اور بھائیوں میں عباسؑ اور حسینؑ کی ایسی الفت تھی یہ خدا کی دین تھی تو اس وقت ہندو پاک اور عراق میں پانچ سو مرد اور عورت اور بچے اُن کی نسل میں موجود ہیں۔ خدا اُن کو علم و عمل کی توفیق دے۔ بحق محمدؐ و آلہٖ۔

مولوی ملّنؔ[1] ایسا ہر دلعزیز شخص اپنے زمانہ میں جو نہ کرسکا وہ غفرانمآبؒ کے مقدس ہاتھوں سے ہوا اور دلدار علی کی تبلیغ نے ہر شاہ و گدا کو یکساں سے ہدایت کی راہ دکھائی۔ لکھنؤ میں بے دینی کی مورچہ بندی صوفیت کے قلعے تھے جن کی غفرانمآب نے اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ سب سے پہلی نماز جماعت نواب حسن رضا خاں کی مسجد میں ہوئی۔ جس میں خود نواب آصف الدولہ شریک تھے

---

[1] آپ کا دورِ زندگی عہدِ شاہی سے پہلے تھا۔ افسوس ہے کہ اس وقت میرے سامنے شرح باب مطبوعہ اثنا عشری پریس ۱۳۲۷ھ لکھنؤ نہیں ہے اس کتاب کے فاضل مولف مولانا علی نقی صاحب جائسی نے مقدمہ میں مولوی صاحب کا اصلی نام بتایا جو شخص واقفیت حاصل کرنا چاہے وہ رسالہ مذکورہ دیکھے مولوی صاحب کی مرثیہ تاریخ زندگی سے اُن کا نام باقی رہ گیا مگر وہ بات کہاں مولوی ملّن کی سی۔ (امیر مینائی) اُن کے لڑکے مولوی ملّن اور مولوی سدّن جو آپس میں بھائی بھائی تھے غفرانمآبؒ کے ہمعصر تھے بوستان اودھ منشی درگا پرشاد صفحہ ۱۰۲ اور حیاتِ حافظ رحمت خان صفحہ ۱۹۵ سنہ ۱۳۲۹ء اور تذکرہ بے بہا فاضل نوگانوی صفحہ ۹۶ میں ان کے تذکرے ہیں۔ مولانا میر محمد باقر صاحب مرحوم تلمیذ جناب غفرانمآبؒ اور مولوی سدّن سے نماز تراویح پر ایک دلچسپ مکالمہ ہوا تھا جو ارشاد چودھویں رات کے چاند صفحہ ۵۴۶ میں موجود ہے۔

لکھنؤ کی زندہ تاریخ داروغہ سید محمد صاحب نے مجھ سے بتایا کہ یہ مسجد مکان مرزا علی قدر صاحب مرحوم کے محاذ میں تھی جو کمپنی باغ کی تعمیر میں عہد ایسٹ انڈیا کمپنی کے بعد شہید ہو گئی۔ اب اس جگہ چوک کا جدید بزازہ ہے۔ پہلی نماز جمعہ بھی غفرانمآبؒ ہی کی اقتدا میں ہوئی۔

آپ نے لکھنؤ میں مسجد امام بارہ بنوایا، کتب خانہ قائم کیا شاہ کی طرف سے حسن خدمات میں ۱۲ مواضعات دیئے گئے جو عہد جناب بحر العلوم جناب علی صاحب قبلہ مجتہد تک باقی رہے ورثا نے خورد برد کر دیئے۔ کتب خانہ[1] تلف ہو گیا۔

۱۲۳۰ھ میں مرزا فصیح شاعر نے شام، حجاز ممالک عرب کے سفر میں ایک مجسمہ سنگی کو شب عاشورا اشکبار دیکھا چنانچہ حالات سفر میں اُن کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

قتل کی شب روم میں روتا ہے اک پتھر کا شیر
دیکھا حضرت کے غم نے سنگ[2] میں تاثیر کی

۱۲۳۱ھ عہد قدیم کے مشہور مرثیہ گو میر زا گدا علی نے انتقال کیا۔

۱۲۳۲ھ ۵ محرم کو غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے ایوان سلطانی میں ایک ہاتھی عربی زبان میں نوحہ پڑھ رہا تھا جس کو ایک جم غفیر نے اپنی آنکھ سے سوگواروں کی طرح دیکھا۔ اور اس

---

[1] اس کتب خانہ کا ایک بیش بہا مخطوطہ پارہ قرآن مجید بخط امام رضا علیہ السلام میں نے ایک شیعہ ریاست میں دیکھا۔ جو اب بھی وہاں موجود ہے۔ اس کتبہ پر غفرانمآبؒ کے فرزند مولانا سید علی صاحب قبلہ کی مہر سیاہی خام موجود ہے۔

[2] کلیات فصیح

واقعہ کو سنی شیعہ اہلِ قلم نے بلا تعصب اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ تاریخی اور عقلی نقطۂ نظر سے اس کی تفصیل رسالہ الواعظ لکھنؤ بابت اگست ۱۹۵۲ء میں دیکھو۔

تاریخ میں ثابت نہیں ہے کہ مقامی علماء اہلسنت میں غفران مآب سے کسی کو اختلاف خیال ہوا ہو آراضی درگاہ قدم رسول نویسۃ لکھنؤ (جس کا گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے) کے ورثہ میں جب مقدمہ بازی کی نوبت پہنچی اور مدعی علیہ نے مفتی[1] غلام حضرت اور غفران مآب کو سرپنچ بنایا اور دو سنی شیعہ علماء کی نگرانی میں شیعہ قانون میراث کے تحت میں ورثہ تقسیم ہوا۔ اس دستاویز پر علماء فریقین کی دستخطیں دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپس میں اتحادِ عمل تھا۔

غرض ایمان وعمل کا ستارہ افق مذہب پر غفرانمآبؒ کی بدولت چمکا اور مقامی اصلاح سے فارغ ہو کر آپ کی توجہ گرد و نواح پر مبذول ہوئی اور شیخ الہند عبدالعزیز دہلوی مذہب امامیہ کے خلاف جو اقدام کر رہے تھے اس کے جواب کا بیڑا اٹھایا حسام اور ذوالفقار ایسی کتابیں لکھ کر عماد الاسلام کو زیادہ مستحکم کیا تحفۂ اثنا عشریہ کی رد آپ کے ہمعصر فاضل جلیل حکیم مرزا محمد کابلی ابن عنایت احمد خاں کشمیری نے بھی نزہہ اثنا عشریہ کی صورت میں فرمائی۔ دہلی میں

---

[1] مغربی حصّہ شہر میں مفتی گنج آپ کا آباد کیا ہوا مشہور محلّہ ہے جہاں مفتی کی کوٹھی آج تک مشہور ہے۔

رہ کر دہلوی عالم کی رد بڑے دل اور جگر کا کام تھا۔ وہی ہوا کہ مخالف ماحول نے ان کو علاج کے حیلہ سے بحیثیت طبیب طلب کر کے زہر دیدیا اور جس سال جناب غفرانمآبؒ نے ۱۲۳۵ھ میں رحلت کی اسی سال آپ کی شہادت ہوئی۔ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر دو علماء میں کس کی وفات پہلے ہوئی اور خدمتِ دین میں کون سابق تھا۔ صاحب تزہہ شہید ہوئے مگر ان کی نسل میں علم نہیں رہا۔ غفرانمآبؒ کی نسل میں ان کی وفات کے بعد سے ہر دور مجتہدین سے معمور رہا۔ اسی لئے ان کے گھرانے کو خاندانِ اجتہاد کا لقب حاصل ہے۔ شیعہ علماء میں شہیدوں کی ترتیب کے لحاظ سے فاضل دہلوی کو شہید رابع کہا گیا۔ درگاہ پنجہ شریف دہلی میں ان کی قبر مبارک آج بھی موجود ہے اور غفرانمآبؒ پانچ مجتہد بیٹے چھوڑ کر اپنے امام باڑہ میں آرام کرتے ہیں۔

شجرہ

آئندہ صفحات میں اپنے محل پر کسی قومی خدمت اور نصرت دین کے سلسلہ میں جن اہلِ علم کے نام آنے والے ہیں وہ اس مختصر نسب نامہ میں مورث اعلیٰ سے ان کا رشتہ بتائیں گے۔

علامہ سید دلدار علی غفرانمآبؒ

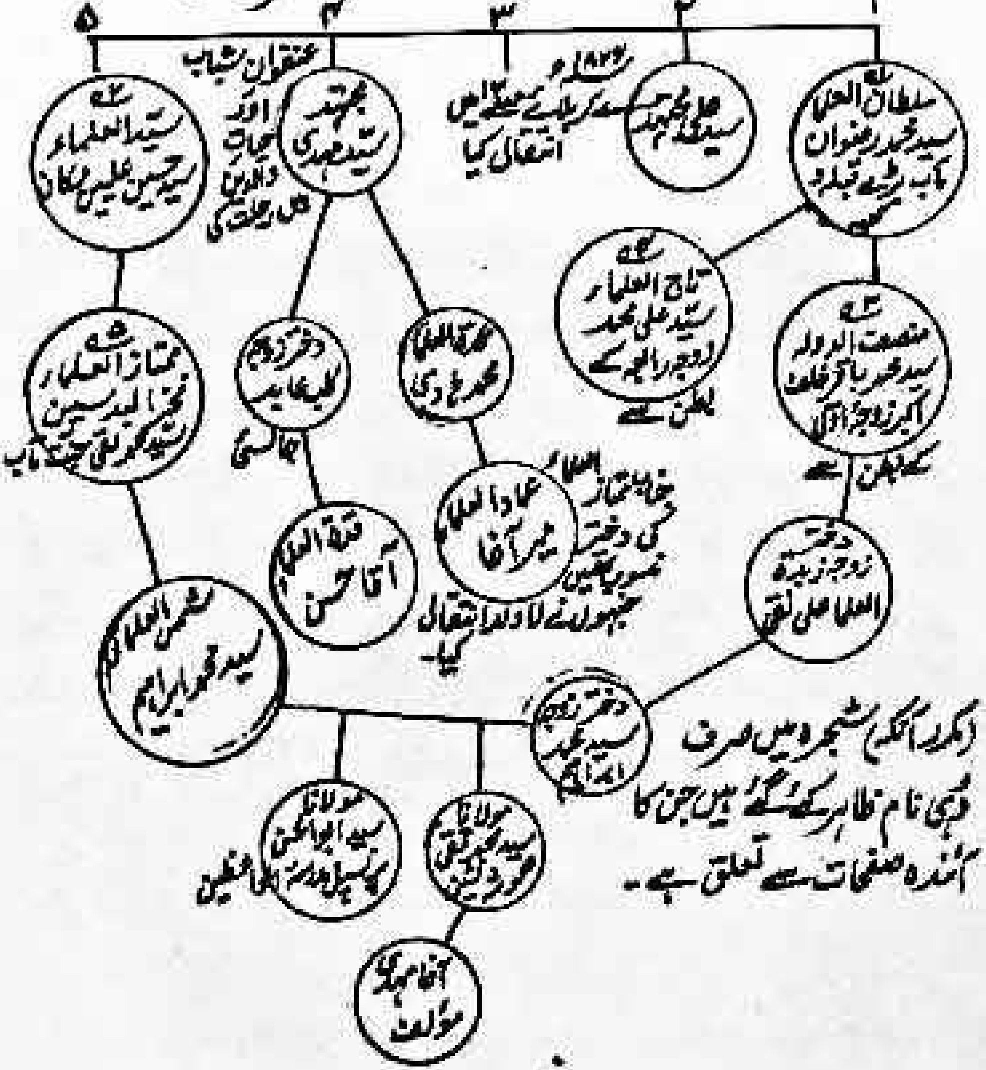

(نوٹ: اس شجرہ میں صرف وہی نام ظاہر کئے گئے ہیں جن کا آئندہ صفحات سے تعلق ہے۔)

---

۱ امام باڑہ غفرانمآبؒ کی شہ نشین میں قبر ہے۔ ۲ امام باڑہ غفرانمآبؒ کی غربی صحنچی میں دفن ہیں۔ قبر پر بہت بڑا سنگ مرمر نصب ہے اوراق الذہب میں سوانح حیات موجود ہیں ۳ کربلا عظمت الدولہ واقع سعادت گنج لکھنؤ آپ ہی کی تعمیر کردہ ہے اور پختہ مسجد احاطۂ کربلا میں اب تک موجود ہے ۴ مجتہد کامل اور خاندان میں کثیر التصانیف تھے عبرانی زبان بھی جانتے تھے۔ ۵ مسجد تحسین کی پشت پر امام باڑہ موجود ہے اسی جگہ آپ کی قبر بھی ہے۔ وقف ممتاز العلماء لکھنؤ کی طرف سے ... کے زیر انتظام ہے۔

اسی صدی میں شاہ غازی الدین حیدر مرحوم کے حساس دماغ کو خیال ہوا کہ حکومت اودھ پر شاہانہ تسلّط جائز اسی وقت ہو سکتا ہے جب سلطنت غفرانمآب کے خلف اکبر سلطان العلماء سیّد محمد صاحب قبلہ رضوان مآب المتوفی ۱۲۸۴ھ کو سپرد کر دی جائے وہ بحیثیت مجتہد العصر والزمان حکومت کریں۔ رضوان مآب نے دنیاوی حکومت سے انکار کرتے ہوئے اپنی طرف سے تخت و تاج سپرد کیا اور حکومت اودھ حدود شرع میں آئی۔

۱۲۳۶ھ ۲۴ رجب مطابق ۱۷ اپریل کو سورج کے گرد ایک دائرہ نظر آیا جس کو ایک شیعہ نے اپنے روزنامچہ میں بایں الفاظ نقل کیا ہے ــــ "امروز قریب ظہر یک ہالہ گرد آفتاب دیدہ شد کہ من ندیدہ بودم ہالہ بایں بزرگی" آج نماز ظہر کے قریب سورج ہالے میں دکھائی دیا۔ میں نے کبھی اپنی حیات میں آفتاب کو ہالے میں نہ دیکھا تھا۔

۱۲۴۷ھ میں نصیر الدین حیدر بادشاہ نے چوک میں شفاخانہ یونانی شاہی قائم کیا جہاں مریضوں کو دوا مفت دی جاتی اور اطبا ضرورت دیکھیں تو اُن کو دوا اور غذا کا انتظام کر کے تا صحت ٹھہرائیں۔ یہ دارالشفا آج تک بلا استثنا مذہب و ملت لاتعداد مریضوں کو صحت بخش ادویہ بانٹتا ہے اور شاہ موصوف اور محمد علی شاہ بادشاہ کے ۳ لاکھ روپیہ سرمایہ سے جاری ہے۔

شاہ موصوف کی طرف اسی سنہ میں دوسرا کارِ خیر ساڑھے ۳ لاکھ روپیہ سرمایہ سے خلقِ خدا کو نانکو پہنچانے کے لئے خیرات خانہ شاہی

کے نام سے شروع ہوا جہاں ۶۵ لاوارث عورتیں، اپاہج مرد بوڑھے جن کی گذر بسر کا کوئی ذریعہ نہ ہو گھر کی طرح رکھے جاتے ہیں اور چار روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ یہ ادارہ ایک ہوشیار اور بادیانت کمیٹی کے سپرد ہے جو اچھا کام کر رہا ہے۔

سنہ ۱۲۵۲ھ فتح اللہ خاں افغان نے ایران پر حملہ کیا خزانہ شاہی لوٹا عورتوں کو اسیر کیا۔

سنہ ۱۲۵۴ھ حسین آباد کا خوبصورت امام باڑہ[1] عظیم اللہ خاں نامی ادنیٰ عقیدت کیش کے دل کی ہمت اور دماغ کی کاوش سے بن کر تیار ہوا۔ ابوالفتح معین الدین محمد علی شاہ بادشاہ کو پسند آیا۔ پائی پائی قیمت ادا کر کے خود قبضہ کیا مگر بوجہِ تعمیر باقی رکھی ع

از فلک آمد ندا نامی عظیم اللہ خاں ۔ "وہ تاریخ اب تک پھاٹک کے پہلو میں ہر سیاح کے سامنے ہے۔ رئیس منزل اور شریف منزل بھی عمارت کا جز ہیں جو غربا اور نادار کے لئے غریب پرور شاہ کی طرف سے بنائی ہیں اور غریب مومنین یہاں رہتے ہیں۔

رصد خانہ

لفظ عربی ہے۔ جس کے معنی کسی سے امید رکھنے کے ہیں۔ اور راصد دیکھنے والے اور نظر کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ اسی لئے

---

[1] امام باڑہ حسین آباد تعمیر کردہ محمد علی شاہ بہادر مرحوم ہے اور عظیم اللہ خان سلطانی کا تمہ تھے۔

آسمان کے تاروں کا حال دریافت کرنے کے لئے دانشمندوں نے پہاڑوں کی چوٹی پر چبوترے بنائے جو سات سو گز اونچے ہوتے تھے اُس پر بیٹھ کر وہ ستاروں کی چال دیکھا کرتے تھے۔ اور ایک دوسرے فلسفی کا بیان ہے کہ جنگل میں بلند پہاڑ کے سطح ہموار کر کے اس پر دو مکان آمنے سامنے چار گز کے فاصلہ سے بنائے جائیں جن کی لمبائی چار سو گز اور اونچان سو گز ہو اور ایک کا منہ پورب کی طرف اور دوسرے کا پچھم کی سمت ہو تو اس عمارت کو رصد سمجھیں گے۔ انگریزوں نے اپنے دور اقتدار میں اس میں اس قدر اضافہ کیا ہے کہ عمارت مذکور کے نیچے کئی طبقوں کے بعد آٹھ پہل کا ایک گہرا کنواں بھی مع گیند ہو اور سقف پر پرکار رکھا ہو اور سورج کی روشنی طبقہ کے سوراخوں سے کنوئیں کے پانی تک پہنچے اس بلندی سے ستارے اور سورج دیکھنے میں مدد ملتی ہے۔

دار العلم لکھنؤ میں ابو الفتح معین الدین محمد علی شاہ بادشاہ نے اپنی علم دوستی سے اس ضرورت کا احساس کیا اور عمارت تیار کرنے کا حکم دیا۔ جس کی بنیاد اس قطعۂ تاریخ سے واضح ہوتی ہے ؎

چوں محمد علی شاہ دوراں — ساخت در لکھنؤ رصد تیار
کرد سالش رقم مہندس فکر — ایں رصد شد بحکم شہریار

(تاریخ اودھ حصہ پنجم ص۲۳ مولفہ نجم الغنی رامپوری)

مورخ مذکور نے محلہ حسین آباد کے ست کھنڈہ کو اس عمارت کے علاوہ دوسری ناتمام عمارت قرار دیا ہے اور مکمل کر نہیں لکھا ہے کہ رصد خانہ اب باقی ہے یا نہیں۔ تارہ والی کوٹھی کو رصد خانہ سمجھنا غلط ہے اس لئے کہ وہ اس دور سے پہلے کی عمارت ہے۔ رصد خانہ کے رجحانات

ست کھنڈہ کی عمارت میں پائے جاتے ہیں۔ ست کھنڈہ کی موجودہ عمارت مکمل نہیں ہے بلکہ امتداد زمانہ نے اس کے بلند حصہ کو باقی نہیں رکھا اور عمارت باقی رہنے کے لئے ایک کھنڈا اتروا دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

سنہ ۱۲۵۵ھ ۵ار رمضان کو شاہ موصوف نے امام باڑہ مذکور شیعی معاد کے لئے وقف کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ایک معاہدہ کیا۔ اور تولیت کو منحصر قرار دیا۔ اولاد نواب رفیق الدولہ سید امام علی خاں بہادر اور عظیم اللہ خاں میں قرآن مجید کی اردو میں پہلی تفسیر شاہ موصوف ہی کے عہد میں لکھی گئی۔ اس تفسیر کا نام توضیح المجید اور مؤلف مولانا سید علی صاحب مجتہد غفرانمآب کے بیٹے تھے جنہوں نے کربلا میں رحلت فرمائی اور سنہ ۱۲۵۹ھ میں اسی زمین پاک پر سپرد خاک ہوئے۔ تفسیر شاہی پریس میں دو ضخیم جلدوں میں طبع ہوئی۔

سنہ ۱۲۵۹ھ ماہ صفر میں کربلائے معلی پر بارہ ہزار پانچ سو پچیس نجدی سپاہیوں کا حملہ ہوا اور صحن روضہ میں علم بغاوت بلند ہو کے بے گناہ سادات اور شیعیان نیعنوا اہل علم اور لاتعداد زائرین اس طرح بیدردی سے قتل کئے گئے کہ روضۂ حضرؑ تک لاشوں پر لاشیں تھیں بائیس ہزار ۲۲۰۰۰ شیعوں کا قتل انگریزوں کے تخمینہ کی بناء پر یقینی ہے۔ ستر ہزار قرآن مجید اور دعاؤں کی تمام کتابیں جلاکر خاک سیاہ کر دیں۔ عورتیں اسیر ہو گئیں۔ چھ دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ اور مکانات نہ ہونے سے ایک ایک قبر میں بیس بیس، ۲۰ ۲۰ تیس تیس آدمی بے غسل و کفن دفن کر دیئے گئے۔ سید العلماء سید حسین علیین مکان مجتہد لکھنؤ کی طرف سے ایک رقم کثیر محمد یوسف استر آبادی

عالم نجف کے ذریعہ پسماندگان سلطنت کے لئے بھیجی گئی۔

شاہ موصوف نے اپنے دورِ حکومت میں لکھنؤ سے کانپور تک سڑک بنوائی اور گنگا پار تک راہ ہموار کی۔ اس سال مقبرہ جناب سعادت علی خاں لکھنؤ میں ایک مدرسہ[۲] دیلیہ کھلا اور پرنسپل عماد العلماء فخر المدرسین سید محمد تقی صاحب مجتہد ہوئے۔

۱۲۶۳ھ دریائے گومتی کے لئے عہدِ غازی الدین حیدر مرحوم میں ایک اور پل کی ضرورت تھی۔ اور پل پختہ ضرورتوں کے لئے کافی نہ تھا اس پل کے لئے انگلستان سے سامان حاصل کرنے میں بادشاہ انتقال کر گئے۔ اور نصیر الدین حیدر بہادر نے اپنے زمانہ میں سنگلر صاحب انگریز کو ٹھیکہ دیدیا۔ مگر پل تیار نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ امجد علی شاہ بادشاہ نے پایۂ تکمیل کو پہونچایا۔

قطعۂ تاریخ

از منشی مظفر علی خاں اسیر

آں پادشاہ عادل کز حکم محکم او — گردید آہنی پل بر گومتی نمودار

فرمود حکم سلطاں تاریخ نظم کردم

چوں حکم شاہ محکم چوں عدل شاہ ہموار

۱۲۶۴ھ ایران میں قزوین کے عالم جلیل اور مجتہد جامع الشرائط ملا محمد تقی برغانی کو صحن مسجد اثناء عبادتِ الٰہی میں نیزہ سے بابی گروہ

---

[۱] ظل ممدود صفحہ ۳۵ [۲] اس مدرسہ کی تاریخ یہ ہے سلہ بیت مصور نے مدرسہ سلطانی نیز بگاہ کمل مدرسہ خاقانی [۳] قصص العلماء نا فضل تنکابنی۔

نے شہید کر دیا۔ ایران کے اہلِ قلم نے جن کے سامنے فاضل دہلوی کی خبر شہادت نہ تھی۔ اُن کو چوتھا شہید کہا ہے عبقات الانوار جلد اوّل میں ان کا مفصّل حال ہے۔ اس صدی اور شیعہ سلطنت میں عزاداری کو بہت بڑا فروغ ہوا۔ انیس اور دبیر اور مشیر ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں جن پر شیعیت کو بجا طور پہ ناز ہے اور بارگاہِ ادب کو بھی میر صاحب اور مرزا صاحب نے آسمان پر پہنچایا۔ اِسی صدی میں آخری تاجدارِ دہلی محمد ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ ثانی نے مذہب شیعہ اختیار کیا اور مرزا حیدر شکوہ نے دہلی سے جناب رضوان مآب علیہ الرحمہ کو لکھا کہ شاہ دہلی مذہب شیعہ اختیار کرتے ہیں۔ اُن کی صحت ایک خاص مرض میں خاکِ شفا سے ہوئی۔ درگاہ حضرت عباسؑ میں علم چڑھایا۔ مولوی امیر احمد علوی نے بھی اپنے مقالات میں تشیع کو تسلیم کیا ہے۔ شاہ موصوف کے پُر جوش اشعار منقبت اور پُر درد نوحہ ماتمی زبان زد ہیں جن میں بعض ادبیات اور کچھ حالات عبقات الانوار جلد سوئم میں نذر قرطاس کئے گئے ہیں۔

۱۲۶۹ھ ۲ ماہ محرم کو احمد آباد گجرات سے ۷ فرسخ پر ایک غیر مسلم عورت کا شوہر قتل ہونے کے بعد باعجاز مظلوم کربلا زندہ ہوا اور گرد و نواح کے تین سو اشخاص اسلام لائے دو عیسائی آدمیوں نے مذہب حق قبول کیا۔ عزیز اللہ نامی ایک سچے مسلمان نے جناب علیین مکان المتوفی ۱۲۷۳ھ کو جو شیعی دنیا کے مجتہد اعظم تھے خط لکھ کر خبر دی دکن کے جرائد میں یہ واقعہ نشر ہوا۔ استاد کے ایمار سے مفتی علّام سید محمد عباس شوستری نے اس واقعہ کو نظم کیا جو مثنوی بیت الحزن مطبع سید المطابع

امروہہ میں باہتمام سید محمد حسین ۱۳۱۰ھ میں طبع ہوئی۔ اس زمانہ کے شعراء نے تاریخیں نظم کیں۔ ع

زہے جاں رفت از تن باز آمد بہ   جملہ حالات مثنوی ملاحظہ ہوں۔

۱۲۶۹ھ سلطان عالم واجد علی شاہ اختر آخری تاجدار اودھ نے زائرین عراق کے ٹھہرنے کے لیے ایک خاص عمارت بنوائی جس کو شاہی مہمان خانہ سے ممتاز قرار دیا۔

چوں حضرت سلطان عالم شاہ اختر دیں پناہ
واجد علی شاہ زمن خاقان بہم قیصر حشم

فرمود ایں بارہ دری سنگیں بصد خوبی بناء
از بہر تشریف آوری دھقانشاہ امم

از حسن نیت چونکہ شد چہار سوئے معصوم شد
نظارۂ عتبات عالیات گردیدہ بہم

آید چو کس بہر زیارت اندراں رضواں پئے
آواز طبتم فادخلوہا خالدین در پر دم

شمشیر جو تاریخ آں پرسید از روح الامیں
گفتا کرانا دبت قیصر ارم

۱۲۶۹ھ عشرۂ محرم کے بعد لکھنؤ میں سنی شیعہ فساد ہوا جس کی تفصیل یہ بتائی جاتی ہے کہ گولہ گنج مقبرہ جناب عالیہ سے چند شیعوں نے جلوس تابوت نکالا جب جلوس منشی غلام حسین کے دروازہ پر پہنچا تو مجمع پر تبرا کہنے کی تہمت لگا کر حملہ کر دیا گیا۔ اور بلوائیوں میں نادری پلٹن کے کچھ غیر شیعہ جوان شریک ہو گئے۔ فوج کا مقابلہ بہت دشوار تھا۔ اس لئے کچھ لوگوں نے جرأت علی نامی ایک شخص کے ہاں پناہ لی اور جو ڈٹے رہے اُن میں محمد باقر علی شہید ہو گئے۔ اور آقا باقر مشہدی کے کئی زخم گہرے لگے۔ چودھویں محرم کو دوبارہ مقبرہ پر حملہ ہوا اور کتنے عزاداروں کو گھروں سے نکال دیا۔ پندرہویں شب کو اور زیادہ قوت کے ساتھ چھاپا مارا اور سارے شیعہ پارکی کربلا میں پناہ گزیں ہوئے۔ سلطان العلماء مجتہد العصر

والزماں نے بادشاہ کو خط لکھا اور تمام واقعات اپنے قلم سے دہرائے اس خط کو نجم الغنی سُنّی مورخ نے بھی تاریخ اودھ میں دہرایا ہے۔
بعزانہ در تمازت آفتاب و شب در شبنم در یک بیاباں بے آب و دانہ بسر می نمایند و بعض سقایان سنی در آب دادن مضائقہ می نمایند و می گویند کہ اگر سنی نشوند آب میدہیم۔ (تاریخ اودھ ص۱۹۶ جلد ۵)

پسماندگان مقبرہ دن کی دھوپ اور رات کی اوس میں گھر دل سے دور غیر آباد زمین پر بھوکے پیاسے زندگی بسر کرتے ہیں اور جب سُنّی بہشتیوں سے پانی مانگتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ تم ہمارا مذہب اختیار کرو تو پانی پلا دیں۔"

۱۲۷۱ھ ۱۰ ذی قعدہ کو شاہ اودھ کے آخری عہد میں بیراگیوں نے اجودھیا کی مسجد پر ایک زبردست ہلاکت آفریں حملہ کیا اور مسلمانوں کا کشت و خون ہوا۔ خواجہ میٹھے جو شہداء سید سالار غازی میں تھے ان کی قبر کو توڑ دیا۔ تعزیے رکھنے کا چبوترہ جو عہد قدیم سے تھا کھود ڈالا۔ مولوی امیر علی امیٹھوی نے شعائر اسلام کی بے حرمتی ہوتے دیکھ کر خروج کیا۔ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی خونریزی تاریخ اودھ کا مشہور واقعہ ہے۔ اس فسادِ عظیم میں اجودھیا کا امام باڑہ بھی جلا دیا گیا مولوی صاحب موصوف نے منظوم عرضداشت شاہ اودھ کو بھیجی اس میں عزا خانہ کی بربادی کا بھی ذکر ہے سہ

انہیں کے ظلم سے پارہ ہوا کلام مجید
انہیں کے مکر سے مومن ہوئے تھا اودھ میں شہید
امام باڑہ کو پھونکا مع ضریح شریف
ہزار حیف کہ اسلام ہو گیا ہے ضعیف

غریب و بیکس و مسکین بادلِ غمگین
محبِ آلِ نبیؐ عبدہ امیر الدین

۱۲۷۳ھ میں سلطنت اودھ ختم ہوئی اور صوبہ اودھ پر انگریزوں کا قبضہ ہوا واجد علی شاہ آخری تاجدار کو نظر بند کر کے کلکتہ روانہ کر دیا۔

۱۲۷۴ھ اس سال حکومت اسلامی دہلی سے ختم ہوئی اور پورے ملک پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا۔ بہادر علی شاہ دہلی سے قید کر کے سمندر پار صوبہ برما رنگون پہونچا دیئے گئے۔ ان کے بیٹوں کے سر کٹے ہوئے سر خوان میں رکھ کر ان کے سامنے لائے جاتے تھے اور ان کی زبان پر مصیبتوں میں پانچ مصرعوں کا ایک خمسہ تھا جس کی آخری بیت یہ ہے سہ

آیئے اب تو مدد کے واسطے بہر خدا
یا حسینؑ بن علیؑ بندہ بہت لاچار ہے

غدر اسی سال ۱۰ رمئی ۱۸۵۷ء اتوار سے میرٹھ میں غدر شروع ہو گیا۔ اور دہلی سے لکھنؤ تک فتنہ و فساد کی وہ آگ بھڑکی جس نے ہزاروں گھر بے چراغ کر دیئے۔ بھگدڑ میں کتنے شیعہ قتل ہوئے اور کون کون برباد ہوا کسی کا کلکتہ کی طرف رخ ہوا کوئی نیپال چلا گیا۔ کوئی بغرض فریاد رسی لندن روانہ ہوا بعض دین داروں نے کربلائے معلیٰ کی طرف ہجرت کی اور جدھر سے آئے تھے ادھر ہی گئے۔ لوٹ مار میں جو شیعہ قتل ہوئے اس کے علاوہ مذہبی

سلہ تذکرہ کربلا طبع نول کشور ۱۸۹۹ء مولفہ محمد میرزا لکھنوی

کینہ اور شیعہ ہونے کے جرم میں بھی جانیں گئیں۔ حکومت اودھ اپنے اقتدار سے مذہبی فسادات کو جو روکے ہوئے تھی اُس کے ہٹ جانے پر خوب دلوں کا بخار نکلا۔ مخالفین نے نہر اور ندرداہ کی ذو لفظین ایجاد کی تھیں جس سے سنی شیعہ مراد لئے جاتے تھے۔ اس اشارہ سے رافضی واجب القتل تھے۔

زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کیے

آشیاں اُجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کیے

ہنگامی صورت میں گوروں کی یلغار سے جانوں پر بنی اور بہتیروں کو بغاوت کے الزام میں پھانسیاں دی گئیں۔ مولوی مرزا محمد باقر، نواب اقبال مند خاں دہلوی، مرزا عباس بیگ، نواب غضنفر حسین خاں، امجد علیخاں[۱] وغیرہ کو سزائے موت ہوئی۔ ملکۂ وکٹوریہ کے اعلان مورخہ ۳۰ نومبر ۱۸۵۸ء سے امن ہوا اور ایک حد تک مذہبی آزادی ہر قوم کو ملی۔

۱۲۷۹ھ میں پانچ برس کی قید سخت کے بعد بہادر شاہ ظفر پر قید میں فالج گرا اور پردیس میں قضا کر گئے۔ آج کل اُن کا مقبرہ اچھی حالت میں ہے۔ مجاور اور قرآن خوان بھی ہیں۔ دُور دُور کے سیاح اس مجاہد ملت کا نشان قبر دیکھنے آتے ہیں۔ ہم نے اپنی ضخیم کتاب سفینۂ حیات میں اس مزار کا چشم دید حال تحریر کیا ہے۔

۱۲۸۱ھ میں (بعد غدر) شاہ نصیر الدین حیدر بہادر مرحوم کے

---

[۱] کنز المعرفہ مولفہ حکیم امجد علیخاں [۲] کلیات منیر شکوہ آبادی المتوفی سنہ ۱۲۹۰ھ

سرایے سے محلہ بعید سگنج قدیم میں اسپتال انگریزی دواؤں کا کھولا گیا تاکہ عام مریضوں کا مفت ڈاکٹری علاج ہو اور حسب ضرورت بیماروں کو ٹھہرا کر بھی مدد پہنچائی جائے۔ یہ اسپتال ۱۸۶۳ء میں تمام ہوا تھا اور عمارت جدید چونہ کاری میں قدیم کتبہ اب بھی کچھ کچھ پڑھا جاتا ہے۔ اس وقت بھارت کی حکومت نے اس ڈسپنسری کو آیورویدک کالج کی صورت میں کر دیا ہے۔

اس صدی میں کمالات اطبار یونان کی صحیح یادگار حکیم نبا صاحب مرحوم اور حکیم مرزا علی محمد مشہور حکیم کوچک شہر لکھنؤ میں طبی خدمات انجام دیتے رہے۔ موجودہ اطبار انہیں کی نسل اور شاگردوں میں ہیں۔

معذرت شاہانِ اودھ کے پبلک خدمات کا یہ ایک مختصر خاکہ تھا۔ تشیع کی تاسیس میں مدرسۂ ایمانیہ انہیں کے دولت سے قائم ہوا، درگاہ کربلا امام باڑے بنے جمعہ مسجد تعمیر ہوئی۔ سلطانی مطبع نے شیعہ تالیفات کی نشر و اشاعت کی۔ مدرسۂ سلطانیہ قائم ہوا۔ ہزار ہا روپیہ مشاہد مقدسہ میں تقسیم کے لئے روانہ ہوا اور اب تک تنخواہیں عرب و عجم کو بٹتی ہیں۔ نہر آصفی نواب آصف الدولہ مرحوم کے روپیہ سے پانی پہونچانے کے لئے اس ارض مقدس پر بنائے گئے روضوں کی تعمیر میں گرانقدر رقوم بھیجی گئیں۔ مکانات خرید کر نجف و کربلا زائروں کے لئے وقف کئے گئے۔ وہاں ٹھہرنے کے لئے سرائیں بنوائیں۔ بمبئی میں پیر علی کا امام باڑہ اسی مقصد کے لئے تعمیر ہوا۔ ایک دو دو جہاز زائروں کو بصرہ پہنچانے کے لئے خریدا گیا۔ لیکن لکھنؤ سے وہاں تک سیکڑوں کوس کی دوری ہوتے ہوئے سب مال

دوستوں کا ہو گیا۔ ہماری کتاب احیاء الآثار میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

علمائے کرام کا طرزِ نگارش

اس صدی میں دیکھنا ہو تو ان کی قلمی آزادی ضربت حیدریہ سیم العذار، عبقات الانوار کے صفحات میں دیکھو کتاب رد تیقعاب پڑھو جس کی نشر و اشاعت کے جرم میں میر عابد علی صاحب مرحوم شیعہ پریس کے بانی ۱۲۸۷ھ کے بعد مدت تک قید رہے۔ یہ کتابیں اگر پڑھنے کی قابلیت نہ ہو اور دستیاب نہ ہوں تو بنیاد اعتقاد کا مطالعہ کرو۔ اردو کا مطلع جتنا پیشتر تاریک تھا اس قدر اس صدی میں نہیں رہا۔ اور عربی علم کلام کے بادل ہٹا کر فارسیت کی گھٹائیں اٹھیں۔ اردو واں ناظرین ازدحام جستہ سوئے دام می رود کا مصداق تھے کہ جناب تاج العلماءؒ نے لکھنؤ سے اردو زبان کے فروغ کا بیڑہ اٹھایا۔

دو عظیم الشان کتب خانے

مکتبہ غفرانمآبؒ کے علاوہ جس کے ختم ہونے کا اوپر ذکر ہو چکا ہے عہد شاہی ختم ہوتے ہوتے لکھنؤ میں دو کتب خانے اور قائم ہو گئے۔ ایک کتب خانہ ممتاز العلماء فخر المدرسین سید محمد تقی جنت مآبؒ کا دوسرا کتبخانہ حجۃ الاسلام مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ صاحب عبقات الانوار کا اول الذکر میں فقہ اور تفسیر کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ ہے جو عراق و حجاز میں بھی نہیں ہے اور مصنفین کے اصل مخطوطات سلاطین دنیا کے کتب خانوں کی خاص کتابیں ہیں سونا چڑھے ہوئے مختلف الالوان چوتھی صدی کے قدیم نوشتے آلات ریاضی اور کمیاب کتابوں میں تفسیر قمی کا خرمہ کی روشنائی سے لکھا ہوا قدیم نسخہ جس کی قیمت ۱۹۱۹ء

میں سیشن جج لکھنؤ نے ایک لاکھ روپیہ تجویز کی اور شہید اولؒ علیہ الرحمہ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا صحیفۂ کاملہ اور تفسیر منبع عیون معانی اور فقہ رضوی نسخہ امام سے مطابق بکثرت کتابیں قابلِ ذکر ہیں جنکے تعارف میں ایک کتاب چاہیئے۔ اس لائبریری میں وہ کتاب بھی موجود ہے جو عراق سے روانگی کے وقت سمندر میں گر گئی تھی اور ساحل بمبئی میں شکم ماہی سے برآمد ہوئی۔ مکتبۂ ممتاز العلماء اور ضمیمۂ کتب خانہ میں ۲۲۱۴ کتب موجود ہیں۔ چھپی ہوئی بہت تھوڑی ہیں۔ غدر ۱۸۵۷ء میں اس کتب خانہ کو شہد کی مکھیوں نے بچایا گورے سب سنگینیں لئے ہوئے جب داخل ہوئے تو چھتہ مکھیوں کا ٹوٹ گیا۔ بلٹنیں پلی ہوئی تھیں جن کو وہ لے گئے اور کتابیں محفوظ رہیں کتب خانہ صاحب عبقات ہندوستان کے تمام کتب خانوں میں ممتاز اور کتب اہلسنت کا وہ نادر ذخیرہ ہے جو دنیا بھر میں نہیں ہے۔ یہ کتب خانہ بھی غدر میں تلف ہوا اور کتابوں کے صندوق ایسے شخصوں تک پہونچے جنہوں نے پوری حفاظت سے کتابیں واپس کردیں۔ ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء اگلے علماء صاحب کرامات تھے اس کتب خانہ میں ۳۰ ہزار کتابیں ہیں۔

۱۲۸۵ھ گوالیار اسٹیٹ کے مرشد طولؒ نے عزم امامؑ میں سبز کپڑے پہنے۔

۱۲۹۶ھ مہاراجہ جیواجی راؤ والی گوالیار کے بیٹے کی شادی تھی۔ اور یہ جشن ٹھیک عشرہ میں آکے پڑا۔ دولہا مسند پر بیٹھ چکا تھا

لہ ماتین فی مقتل الحسینؑ ج ۲ ص ۲۰

کہ ہوا کا جھکڑ چلا اور موسلا دھار مینہہ برسا، آندھی پانی میں محفل درہم برہم ہوگئی۔ خیمے ڈیرے گر گئے، چھولداریاں اُکھڑ گئیں۔ ہاتھی، گھوڑے اونٹ سراسیمگی میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور پنڈتوں نے بھی سمجھ لیا کہ سرکار حسینی میں یہ بے ادبی بگاڑ کی وجہ ہوئی۔ اس خیال میں طاقت یوں پیدا ہوئی کہ اسی ہنگامہ میں مہاراجہ نے دیکھا کہ ایک محتاج شخص کا تعزیہ پھٹی ہوئی پیونددار چادر کے تلے ٹھاٹ سے رکھا ہے اور آسمان کے نیچے چراغ ٹمٹما رہا ہے۔ تعزیہ پر آندھی کا اثر ہے نہ دیا بجھا ہے۔ یہ اعجاز دیکھ کر پچیس ہزار روپیہ ایک سیدؔ کو دے کر سامان عزا کیا اور مرتے دم تک عزاداری کرتے رہے۔ ہزارہا روپیہ بیدردی سے صرف کیا۔ یادش بخیر گوالیار کی عزاداری کون نہیں جانتا۔ مؤلف تاریخ ہذا کو سفر گوالیار میں اہالیانِ شہر سے معلوم ہوا کہ حکومت نے قانون بنایا تھا کہ جس کی آمدنی سو روپیہ ماہوار ہو خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو عزاداری کرتا ہے۔ ولیعہد موصوف (جن کی تقریب عروسی کا یہ تذکرہ ہے) کی سیرت یہ تھی کہ ۱۲ میل پیادہ کربلا تک ضریح شاہی کے ساتھ جاتے تھے۔

۱۴
چودھویں صدی
۱۸۸۳ء تا ۱۹۴۹ء

جس طرح چودھویں منزل میں پہنچ کر چاند کامل ہوتا ہے،

لہ مآثر صفحہ ۲۴۱ ج ۲

اسی طرح چودھویں صدی شروع ہوتے ہوتے شیعہ دنیا کے ہر خطے میں پہنچ گئے۔ افریقہ، ماڈاگاسکر میں بھی شیعیت کے قدم جم گئے قریب العہد ہونے سے اس صدی کے واقعات کا احاطہ دشوار ہے اور اہم مشہور حوادث پر توجہ مبذول کی جاتی ہے۔

۱۳۰۱ھ غدر کے بعد سے امام بارہ آصف الدولہ اور مسجد انگریز فوجوں کا قلعہ قرار دی گئی تھی اور ٹیلہ کی مسجد میں ملٹری کی ڈسپنسری تھی۔ لکھنؤ کے مجتہد اعظم شمس العلماء مولانا سید ابراہیم صاحب قبلہ کا حساس دماغ اس کو کیونکر گوارا کر سکتا تھا۔ حکام شہر سے گفتگو کر کے انتھک کوشش کے بعد آپ نے امام باڑہ کو واگذار کیا اور ۲۰ جون ۱۸۸۴ء کو یہ عظیم الشان عمارت جناب کی نگرانی میں آئی اور ۲۴ جولائی ۱۸۸۴ء کو آپ نے مسجد آصفی میں نماز عید پڑھائی۔ ٹیلہ کی مسجد[1] میں اس سے پہلے بھی حضرات اہل سنت نماز پڑھتے تھے۔ وہ مسجد سنی حضرات کے لئے تجویز کی۔ عیدین اور جمعہ کے سنی شیعہ اجتماعات اب بھی انہیں دو مسجدوں میں ممتاز طور پر ہوتے ہیں آخر میں شیعہ مجتہد نے دنیا کے سب سے بڑے امام باڑہ اور ممتاز مسجد کو وقف حسین آباد مبارک کے سپرد کر دیا اور ٹرسٹ کو وہ مدد پہنچائی

---

[1] شاہ پیر محمد کے ٹیلہ کی مسجد شاہ صاحب کی تعمیر کردہ نہیں ہے یہ شاہان مغلیہ کی یادگار ہے۔ موصوف نے اپنی تالیف مصالح الطالبین کے دیباچہ میں اپنا مسلک اس طرح ظاہر کیا ہے کہ خلافت باطنی اور خلافت کبریٰ کے حامل حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے اور خلافت ظاہری اور خلافت صغریٰ خلفاء کو ملی۔

جواپنی آپ نظیر ہے۔ اِس اہم خدمت دین کے کاغذات کا مفصّل حوالہ جناب مرحوم کی سوانح حیات میں موجود ہے۔ سنہ ۱۳۰۲ھ میں قرآن مجید کا پہلا کامیاب اُردو ترجمہ تاج العلماء مولانا سیّد علی محمد صاحب مجتہد مرحوم نے فرمایا اور ان سے حلقہ بگوش نواب محمد حسین قلی خاں کے نام سے ۹۶۰ صفحات پر مطبع حسینی اثنا عشری سے نشر ہوا۔ سنہ ۱۳۰۳ھ اِس سنہ میں جاورہ کی زیارت[1] گاہ سے جو روشنی اور نور کرامات ظاہر ہوتے رہے اس کی تیسری جلد چھپی۔

سنہ ۱۳۰۳ھ انگریزی عملداری مراد آباد میں سنّی[2] شیعہ فساد ہوا۔

سنہ ۱۳۰۶ھ لکھنؤ میں ایک فرقہ وارانہ فساد ہوا اور ۱۰ رجب پار ڈالی گنج میں وقت اذان نمازیوں پر حملہ ہو گیا اور بنائے مخاصمت یہ قرار دی گئی کہ خلیفۃ بلا فصل کے الفاظ تبرّا ہیں۔ باہمی تصادم میں مجسٹریٹ نے شوال میں مسمی احمد حسین، آصف حسین، نظیر ہادی، عنایت عباس وغیرہ کو چھ مہینہ اور تین مہینہ اور دو مہینہ کی سزا دے کر جیل بھیج دیا۔ شیعہ پبلک میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور وہ فقرات اذان جو دن بھر میں کم از کم تین مرتبہ سلف سے آج تک کہے گئے اور کسی نے نہ روکا، قابلِ اعتراض قرار دینے پر جگہ جگہ فساد کا اندیشہ ہوا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اذان ایک وقت بھی موقوف نہ ہوئی خوش قسمتی سے مجتہد اعظم سیّد محمد ابراہیم صاحب قبلہ کا زمانہ تھا آپ کی

---

[1] جلد سوم ماہ جمادی الاخریٰ میں باہتمام منشی محمد تمام الدین پوسٹ ماسٹر مطبع صفدری بمبئی سے طبع ہوئی۔ [2] تاریخ جدولیہ

سرپرستی میں مدافعت ہوتی رہی حتی کہ کرنیل نیوبری F.M. NEWBERY کے بنگلہ پر جناب سے ایک سخت گفتگو ہوئی اور آپ کسی قیمت پر اس کے اذان سے خارج کرنے پر تیار نہ ہوئے یہاں تک کہ ملکہ وکٹوریہ آنجہانی نے مقامی حکام کی سختی کا شکوہ کیا گیا اور عرضداشت کے جواب میں ۱۸۸۹ء میں ولایت سے نیوبری صاحب کے عہدہ سے ہٹانے کی اطلاع آئی اور زیر بحث فقرات غیر دل آزار رسم قدیم کے مطابق قرار دیئے گئے۔ اذان میں خلیفۃ بلا فصل کہنا بند نہیں ہوا۔ اس بحر العقول کامیابی کے ایک سال بعد شیعی دنیا کا یہ مجتہد اعظم تو رحلت کر گیا مگر یاد دنیائے تشیع کے چپہ چپہ میں باقی ہے۔

۱۳۰۹ھ سے پہلے الحاج ابو الفضل مولف شفاء الصدور نے طہران میں ایک بیر دیکھا جس پر قدرتی تحریر میں یا علیؑ لکھا تھا۔

۱۳۱۱ھ لکھنؤ میں وقف داراب علی خاں قائم ہوا۔

۱۳۱۲ھ ریاست جاورہ میں تعزیہ داری کے سلسلہ میں ہندو مسلم فساد ہوا اور مسلمان مجبور ہو گئے کہ تعزیہ نہ رکھیں شہر سے تیر چھ میل کے فاصلہ پر ایک بلندی تھی جہاں تعزیہ رکھے ہوئے نظر آئے اور اہالیان شہر اس خبر کو باور نہ کرتے تھے جب ایک گروہ نے اپنی آنکھ سے جلوس تعزیہ مع باجہ دیکھا تو خلق خدا دوڑ پڑی اور عام لوگوں کے جمع ہو جانے پر جلوس تو نظر نہ آیا۔ خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اور ایک نشیب میں دودھ اور ایک چشمہ پانی کا پھوٹ رہا تھا۔ گھوڑے کی ٹاپ کا اثر بھی نمایاں تھا۔ لوگ دودھ پیتے تھے اور ختم نہ ہوتا تھا اس وقت سے اس بلندی کا نام حسین ٹیکری ہوا۔ اور پانی کی جگہ

کنواں بنوادیا جو جھالرا کے نام سے اب تک موجود ہے۔ اس پانی[1] سے بیمار غسل کر کے تندرست ہو جاتے ہیں۔ اور گھوڑے کی ٹاپ کی جگہ گنبد بنا ہے۔ سید علیم الدین احمد رمز نقشبندی ٹونکی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد مدت تک یہاں رات کو مشعلیں روشن نظر آتی تھیں۔

سنہ ۱۳۲۲ھ ہندوستان میں طاعون (PLAGUE) آیا۔ انگریز ڈاکٹروں نے چاہا کہ جو لوگ مر جائیں اُن کو جلا دیا جائے۔ تمام مسلمانوں نے عذر کیا اور یہ قانون پاس ہونے نہیں پایا۔

سنہ ۱۳۲۴ھ ۸ رمضان کو ترکوں کے ہاتھ بعد نماز صبح ایرانی تاجروں کا قتلِ عام ہوا۔

از دست رفت حرمت ماہ صیام حیف[2]
بعد از نماز قتل چو بر بیگناہ شد
اسلام با یہود نہ کرد ایں چنیں سلوک
عریان و نحت لاشہ بر دار خواہ شد
بودند زیر بیرق انگلش ہمہ مقیم
ایں سال عیسوی پے آنہا گواہ شد
ہنگام صبح بعد اذاں ہشتم صیام
از گلہ تفنگ جماعت تباہ شد
شد پائمال چوں سر جرأت نفاق گفت
بے جرم خیمہ گاہ عجم قتل گاہ شد

---

[1] اخبار سرفراز لکھنؤ بابت محرم سنہ ۱۳۵۶ھ
[2] دیوان جی صفحہ ۲۶۷

فتنہ مستبدہ و مشروطہ

۱۳۲۴ھ میں عراق میں ایک سیاسی انقلاب برپا ہوا جس کا مختصر اثر تاریخ میں یہ ہے کہ اس[1] فتنہ نے بادشاہوں کو تخت سے اتارا غاصبانِ اقتدار کو گرادیا۔ اسلام میں وہ رخنہ پیدا ہوا جو ظہور حضرت حجت سے دور ہو سکتا ہے۔ محتاط علماء قتل ہوئے اور عادل وزیروں کی جان گئی۔[2]

۱۳۲۵ھ قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد نے قومی انحطاط دیکھ کر شیعہ کانفرنس قائم کی اور شیعہ قوم کو بھی یہ درجہ حاصل ہوا کہ دوسری اقوام کے دوش بدوش اپنے حقوق طلب کرے۔

۱۳۲۶ھ لکھنؤ میں فرقہ وارانہ فساد پھر شروع ہوا اور ایک فساد پسند گروہ نے ایام عزا میں چاریاری جھنڈے کی بنیاد قائم کرنا چاہی کئی سال یہ انوکھی تحریک نقض امن کا سبب بنی رہی۔ کئی کئی موقعوں پر فسادات ہوئے عشرہ کی لڑائی میں کجھو کے پیا سے شیعوں پر چوک میں سخت حملہ ہوا امام باڑہ ممتاز العلماء طاب ثراہ سے حکیم میر حیدر حسین صاحب بوڑھے نورانی صورت مگر مجھلی ہوتی گلے میں رستی ڈال کر مچھلی والی بارہ دری[3]

---

[1] احسن الودیعہ میں اس انقلاب کا اسی قدر تذکرہ ہے قتل فیھا العلماء الراسخون والوزراء العادلون صفحہ ۳۸۹ طبع نجف و شعر و شاعری عصر جدید ایران خطابہ آقا سید محمد علی پروفیسر نظام کالج حیدر آباد صفحہ ۹ حیدر آباد ۱۳۴۶ھ۔

[2] اس قدیم عمارت کا نام جہاں ابتداء انگریزی سے پولیس اسٹیشن تھا۔

لائے گئے۔ کوتوال نے فرشتہ کو لباسِ بشر میں دیکھ کر چھوڑ دیا۔ ان کے بیٹوں اور بیوی کو حوالات میں بھیجدیا۔ محلہ ٹیڑھی بازار لکھنؤ میں عید شجاع کی ایک سالانہ محفل ربیع الآخر کے مہینے میں ہو رہی تھی۔ چاروں طرف سے پتھر آنا شروع ہوئے۔ حاضرین نے پُرامن طریقہ سے چاہا کہ محفل برخواست ہو جائے تو دیکھا گھر کا محاصرہ ہو گیا تھا۔ جو نکلتا تھا اس پر لاٹھیوں سے حملہ ہوتا تھا۔ شیدی جعفر خاں ۷۰ برس کے بوڑھے ایک غیور شخص تھے، کوٹھے پر سے کود پڑے۔ حتی الامکان اپنے تئیں بچاتے رہے مگر کمین گاہ سے ایک حملہ ہوا اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔ یہ اس غیرت دار طبقہ سے تھے جو تنگدستی میں سوال کا عادی نہ تھا۔ مرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس دن فاقہ سے تھے۔ میرے چچا مولانا سید ابوالحسن عرف منن صاحب قبلہ مجتہد نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس ہلچل میں شیعہ رؤسا میں مرزا بہادر مرزا محمد عباس المتوفی ۱۳۲۸ھ اور شیخ یوسف حسین بیرسٹر کی دولت اور نواب مہدی حسن صاحب رضوی کا جوان دماغ کام کر رہا تھا، یہاں تک کہ جھنڈا قانوناً ممنوع قرار پایا اور سر جان ہیوٹ گورنر یوپی نے دربارِ عام میں بتایا کہ عزاداری سنی شیعہ مشترکہ رسم ہے[1]۔ شیعیانِ لکھنؤ سے دوکانداروں اور پیشہ ور طبقہ نے اس موقع پر بائیکاٹ بھی کیا اور ہم میں تجارت کا ذوق پیدا ہوا۔ کپڑے، مٹھائی، دواؤں، غلّے وغیرہ کی دکانیں کھلیں اور الحمد للہ کہ شیعہ تجارت کے میدان میں آ گئے؎

عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد

۱۳۲۸ھ آغا حیدر علی قزلباش مقیم لکھنیا ضلع بلند شہر[2] نے

---

[1] رسالہ گوہر شاہوار لکھنؤ بابت مارچ ۱۹۰۸ء

ساتویں محرم کی رات سے دسویں تک بے آب و غذا رہ کر مکمل فاقہ کیا اور آپ کا ۳۶ سال سے یہی دستور ہے۔

اسی سال عثمانی حکومت نے کربلائے معلّٰی میں عید کی تیسری تاریخ ایرانی زائرین پر حملہ کیا اور ٹیکس وصول کرنے کے سلسلہ میں پچاس ہزار شیعہ قتل ہوئے۔

۱۳۲۹ھ انجمن وظیفہ سادات اور شیعہ یتیم خانہ قوم کے بیدار مغز طبقہ کے ہاتھ سے قائم ہوا۔

۱۳۳۰ھ ۱۰ ربیع الآخر کو زار روس کی ظالم فوج نے روضۂ حضرت امام رضاؑ اور مسجد گوہر شاد پر گولہ باری کی شیعہ جان و مال کا نقصانِ عظیم ہوا۔ روضۂ اقدس کا بیش بہا خزانہ اور تبرکات لٹ گئے۔[1]

شیعہ اور کانگریس

ملک کی تحریک آزادی میں شیعوں کے سر برآوردہ افراد پوری دلچسپی سے شریک ہوئے۔ سید حیدر مہدی ایڈوکیٹ میر واجد علی وکیل رائے بریلی ثقۃ الاسلام مرزا عبد الرحیم ببلہ المتوفی ۱۳۵۵ھ علامہ مہدی مولانا سید احمد صاحب المتوفی ۱۳۵۵ھ حکیم سید علی آشفتہ المتوفی ۱۳۴۵ھ ہجری مختلف پلیٹ فارموں سے جیل گئے۔ ولایتی مال کا بائیکاٹ کیا۔ انگریزوں کی نوکریاں چھوڑ دیں۔ کھدر پہنا۔ نجف اشرف کے سب سے بڑے اعلم مجتہد علامہ سید ابو الحسن اصفہانی المتوفی ۱۳۶۵ھ کو بھی کھدر پسند تھا۔

---

[1] رسالہ گوہر شہوار بابت جنوری ۱۹۰۵ء

سرکار مرحوم کے ایک ہندوستانی مخلص نے عرض کیا کہ حضور مال ہندوستان سے کسی چیز کی فرمائش فرمائیں تو جناب نے کھدر کے کپڑے کی فرمائش کی۔ کانگریس کی تاسیس میں شیعہ روزیہ شیعہ مدبروں کا دماغ شریک تھا ہے

عیاں را چہ بیاں

مولوی سید محمد شبیر صاحب مدرس اعلیٰ مدرسۂ ایمانیہ ناصریہ جونپور نے سب کے آخر میں کانگریس فارم پر دستخط کیے۔

سنہ ۱۳۳۳ھ شہید ثالث علیہ الرحمہ کی قبر پر جلسہ اور مجالس ہوئیں۔

سنہ ۱۳۳۴ھ میں شیعہ کالج کی بنیاد قائم ہوئی۔ انگریزی تعلیم کا مسئلہ چونکہ بہت نازک تھا اس لیے شیعہ دینیات کو اہم قرار دیتے ہوئے علماء کرام نے سلطان المدارس اور مدرسۂ ناظمیہ کی موجودگی میں عربی شعبہ کو جزو قرار دیا اور اقدام میں اعتدال پیدا کیا۔ کالج کربلائے نصیر الدین حیدر بہادر مرحوم اور کربلائے ملکہ آفاق کی درمیانی زمین پر بنا۔ شعراء نے جو تاریخیں نظم کیں اس میں سید مجاور حسین تمنا مرحوم المتوفی سنہ ۱۳۵۹ھ نے یہ مادہ تاریخ نکالا ہے

شیعہ کالج رو منہائے شاہ کے مابین ہے

سنہ ۱۳۳۵ھ دمشق اور مدینہ کے درمیان میں ریل جاری ہوئی۔

سنہ ۱۳۳۶ھ سے پہلے سید عبداللہ کنتوری کے تبرکات[۱] میں خاک پاک کا ایک ٹکڑا سرخ ہو گیا۔ اور کچھ دانوں سے یہ معلوم ہوتا تھا

---

[۱] انتصار الاسلام صفحہ ۶۴ ج ۳

کہ خون ٹپک رہا ہے۔ موصوف نے جب یہ اعجاز دوستوں میں بیان کیا۔ لوگوں نے کہا یہ تو فریب ہے۔ سید کو جھٹلانے کا یہ اثر ہوا کہ قصبہ بھر کی تسبیحیں لال ہو گئیں۔

اسی سال سید قاسم حسین ولد امیر حسین ساکن کیلاوہ ضلع مظفر نگر کی تسبیح عشرہ کے دن لال ہو گئی۔ اس فصل عزا میں ہندوستان کے مختلف مقامات کی رپورٹ وصول ہونے پر سات[1] تسبیحوں کے سُرخ ہونے کی خبریں آئیں۔

۲۳ نومبر ۱۹۱۷ء کے اخبار اثنا عشری دہلی سے واضح ہوتا ہے کہ اسی سال نید پور میں ضریح مبارک سے پانی آنا شروع ہوا۔ اور جوق در جوق لوگ زیارت کے لیے گئے۔

اسی سال زنگبار اسٹیٹ افریقہ میں ۸ جون ۱۹۱۷ء سے پہلے ماہی گیر نے ایک مچھلی شکار کی جس کی دُم پہ ایک طرف لا الہ الا اللہ اور دوسری طرف شان اللہ لکھا تھا۔ مچھلی پانچ پیسے کو خریدی گئی اور قیمت بڑھتے بڑھتے پانچ ہزار تک پہونچی مگر مالک نے بیچنے سے انکار کیا۔ مچھلی کا سارا حال مع عکس میں نے اپنی بڑی کتاب تذکرۃ الحیوان میں لکھا ہے۔

۱۳۳۶ھ شیعہ کالج لکھنؤ میں قائم ہوا

---

[1] منہ سے روزنامہ ہمدم لکھنؤ مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۱۷ء

سنہ ۱۳۳۷ھ ہندوستان میں انفلوئنزا پھیلا اور سات لاکھ آدمی ملک میں اس بیماری سے مر گئے۔

سنہ ۱۳۳۷ھ زارِ روس جس نے مشہد امام رضاؑ پر گولہ باری کی تھی ہلاک ہوا۔

سنہ ۱۳۳۷ھ انگریزوں نے جنگِ عظیم کے زمانہ میں نجف اشرف پر گولہ باری کی۔ محاصرہ میں اہلِ شہر تک پانی نہیں پہونچ سکتا تھا اور قحطِ آب سے قریب تھا کہ لوگ سراسیمہ ہوں زور سے پانی برسا اور ضرورتیں پوری ہوئیں۔ سیکریٹری خدامِ عتباتِ عالیات کی طرف سے جو بیان شائع ہوا اس سے اس قدر واضح ہوا کہ صرف دیوارِ شہر منہدم ہوئی مسجد کوفہ کے بعض مینارے مسمار ہوئے۔ قبرِ ہانی بن عروہ پر بم گرے۔ آقا میرزا محمد رضا شیرازی اور دیگر علماء گرفتار ہوئے۔ آقائے سید طالب شاہ کے بیٹے قید کر لئے گئے۔ اُن کے عیال میں اس گرفتاری سے تلاطم تھا اس رستخیز میں سرکار سید کاظم طباطبائی کی جانب سے جو چاول مصیبت زدگان کو تقسیم ہوئے اور نجف کے ایک بقّال نے جو خرمے تقسیم کئے وہ معمولی مقدار ہونے کے باوجود اس قدر برکت ہوئی کہ تمام بھوکوں تک پہنچے اور سب کو سیر کیا۔

سنہ ۱۳۳۸ھ ۱۷ ربیع الاوّل کو شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ المتوفی سنہ ۱۳۶۰ھ نے سر مہاراجہ محمد علی محمد خاں مرحوم المتوفی سنہ ۱۹۳۸ء کے، سی، آئی ممبر ایگزیکٹو کونسل ممالک متحدہ آگرہ و اودھ و تعلقہ دار ریاست محمود آباد ضلع سیتاپور کے تعاون سے لکھنؤ میں مدرسۃ الواعظین قائم کیا اور چین، تبت، کشمیر، انڈونیشیا، افریقہ

دور دراز مقامات پر صدائے توحید کو پہنچایا۔ کتبخانہ مدرسۃ الواعظین ۲۴ ہزار کتابوں پر مشتمل ہے۔

تیراہ میں شیعوں پر مظالم ہوئے۔ ملک میں گھر گھر چندہ ہوا اور بیکسوں کی امداد بڑے پیمانہ پر کی گئی۔ اس اقدام میں بھی اکثریت شریک تھے جو ہر دور میں حرف غلط کی طرح ہم کو مٹاتے رہے۔

۱۳۴۲ھ کراری ضلع الہ آباد کے شیعوں پر نواصب پرگنہ کی طرف سے ایام عزا میں یلغار ہوئی۔ گولی چلی۔ رئیس قصبہ سید مظاہر حسین صاحب مرحوم و مغفور تعلقہ دار کو پھانسی کا حکم ہوا، عدالت عالیہ سے بری ہوئے۔

۱۳۴۴ھ ۸ شوال کو ابن سعود نے حجاز میں جنت البقیع کے مقدس مزار منہدم کئے اور گنبدوں کو گرادیا۔ یہ روح فرسا خبر آقائے صدر مرحوم و مغفور کی جانب سے بغداد کے تار مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۲۶ء کے ذریعہ پہنچی۔ پھر دفتر خلافت بمبئی نے مولوی شوکت علی صاحب کے تار سے تصدیق کی اور لکھنؤ کے سنی شیعہ علماء کی طرف سے احتجاج ہوا۔ اس اظہار نفرت و بیزاری میں مولوی قطب الدین عبدالوالی اور مولوی محمد سلیمان صاحب قادری چشتی بھی شریک تھے۔

۱۳۴۴ھ چین پور صوبۂ بہار میں ایک ہندو بعض مسلمان[1] تعزیہ داروں کو ہر سال چار آنہ چندہ دیتا تھا۔ اس سال آریوں نے

---

[1] امامیہ گزٹ لکھنؤ ۱۹۲۵ء

چندہ دینے سے روکا اور کہا کہ اسی پیسہ کا دُودھ لاکر بچوں کو پلاؤ۔ اس نے دسویں کے دن تڑکے بازار سے دودھ لاکر چولہے پر چڑھایا سارا دُودھ خون ہو گیا۔ اور گاؤں بھر نے تعزیہ داری کو اپنی زندگی کا سہارا سمجھا۔

سنہ ۱۳۴۵ھ نواب سید حامد حسین خاں صاحب رضوی او بی ای رئیس اعظم لکھنؤ نے سٹی اسٹیشن کے روبرو حامد پارک اور گھنٹہ گھر حامد ویل رفاہ عام کے لئے بنوایا۔

سنہ ۱۳۴۶ھ سید فتح حسین تحصیلدار ریاست بہرہ ضلع بارہ بنکی کے تعزیہ خانہ میں ۳ محرم سے علموں میں حرکت پیدا ہوئی۔ اور ۸ محرم کو ایک علم سرخ ہو گیا۔ ۱۴ کو دوسرا علم سرخ ہوا اور خون تازہ ٹپکتے ہوئے نظر آیا۔

اسی سال ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء کو ہندوستان کے سب سے بڑے لیڈر گاندھی جی نے بہتر۷۲ کے آدمی ساتھ لے کر نمک ستیگرہ شروع کی اور قدرت نے تیرہ سو۱۳ برس کے بعد اس تعداد کو پھر نمایاں کیا۔ بہتر۷۲ کے موضوع پر مولف کا رسالہ نشر ہو چکا ہے۔

سنہ ۱۳۴۹ھ ۱۵ ذی الحجہ کو جودہ بن محمد حسن کے اعضاء خشک ہو گئے تھے۔ اور طاقت نشست و برخاست نہ تھی روضۂ حضرت امیر المومنینؑ میں لایا گیا اور دو روز دعائیں ہوئیں۔ تیسرے روز

سلہ ہندوستان کے علاوہ اسلامی دنیا کے دیگر شہروں میں بھی اس قسم کے واقعات ظاہر ہوئے ہیں اور فقہا کے سامنے بھی یہ مسئلہ زیر بحث ہے چنانچہ سرکار آغا ابوالحسن اصفہانی المتوفی سنہ ۱۳۶۵ھ تحریر فرماتے ہیں و ہمچنیں پاک است خونیکہ از غیر حیوان مانند درخت معروفی کہ در روز عاشورا ازاں خون بیاید و ازیں قبیل است خونیکہ در واقعہ سید الشہداء دیدہ شدہ و ہم چنیں خونیکہ از مجملہ آیات حضرت موسی بن عمرانؑ

اچھا ہوا۔ اس کا بلا کسی علماء کی توثیقات کے اخبارات میں چھپا ہے۔
ملاحظہ ہو الواعظ بابت ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۵۶ کے بعد آرٹ پیپر پر بلاک۔

سنہ ۱۳۵۱ھ امیر فیصل شاہ عراق نے پیغمبرِ خدا کے جلیل صحابی حذیفہ یمانی حاکم مدائن اور جابر بن عبداللہ انصاری کو خواب میں دیکھا کہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہم کو قبور سے منتقل کر کے دوسری جگہ دفن کرو۔ دریا کا پانی مزارات کے قریب پہنچا ہے۔ ۲۰ ذی الحجہ کو حکومت عراق نے شاہی تزک و احتشام کے ساتھ جنازہ اٹھوایا اور لاکھوں مسلمانوں کو ان دو مقدس صحابیوں کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ دونوں جسم بالکل محفوظ تھے کفن بوسیدہ نہیں ہوئے تھے۔ ڈاڑھیوں کے بال اور آنکھوں کی چمک برقرار تھی۔ بشیر الحسن فوٹو گرافر نے عکس حاصل کیا اور اخبارات میں یہ حالات قلمبند ہوئے۔

سنہ ۱۳۵۲ھ تعمانہ کرک فلسطین میں مزار نامی گاؤں ہے جہاں حضرت جعفر طیارؑ کے نام سے معنون ایک مسجد اور سرائے ہے جس کو سرائے مزور کہتے ہیں۔ کھدائی کے سلسلہ میں اس سال ایک سرنگ برآمد ہوئی جس میں ایک کمرہ تھا۔ کمرہ میں ستر لاشیں برابر سے سپرد خاک تھیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لاشیں جنگ موتہ کے شہداء حضرت جعفر طیارؑ اور ان کے ساتھیوں کی ہیں۔ سروں پر عمامہ اور زخم تازہ تھے۔

سنہ ۱۳۵۳-۵۱ھ قصور میں ذوالجناح کے جلوس پر سخت تصادم ہوا پردہ نشین عورتوں پر لکڑیوں سے حملہ ہوا اور فسادات و گرفتاریاں ہوئیں۔

سلہ الواعظ محرم نمبر ۱۳۷۰ھ۔
سلہ اخبار سرفراز مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۳۳ء

۱۳۵۳ھ ۱۱ر جون ۱۹۳۴ء کی رات کو شہر انبالہ کی غلہ منڈی میں نیم کے درخت سے آگ نکلنے لگی۔ اور ساڑھے بارہ بجے رات تک آگ برستی رہی۔ درخت کے نیچے کوئلہ سا کچھ کوئی چیز نہ تھی۔
(اخبار زمیندار لاہور جون ۱۹۳۴ء)

۱۳۵۴ھ اس سال ۳۰ر جون ۱۹۳۵ء کو کوئٹہ میں زلزلہ آیا اور عام نقصانات کے ساتھ شیعہ جان اور مال تلف ہوا۔

۱۳۵۶ھ حکومت عراق نے نجف اشرف میں قمع کا ماتم خلافِ قانون قرار دیا اور آخر ذی الحجہ میں پانچسو ۵۰۰ افراد ماتمی دستہ کے گرفتار ہوئے مگر متصرف کربلا نے آخر تنبیہ کر کے رہا کر دیا۔

محرم ۱۳۵۶ھ ہجری۔ ماتم قمع کی روک پر عاشور کی رات کو نجف اشرف میں کوتوال شہر نے آدھی رات سے حرم حضرت امیرالمومنینؑ کا دروازہ بند کرا دیا۔ صحن کے دروازہ کھلتے ہی دو تہائی رات گذرنے پر صحن شریف کے دروازے پھر بند کر دیئے گئے۔ ایک دروازہ کھلا رہا اور قمع کے ماتمی دستہ کو روکنا چاہا۔ پولیس کی ممانعت پر ماتمیوں نے اپنے جوش سے فائدہ اٹھا کر ایوان طلاء تک پہنچ کر اور زور سے ماتم شروع کیا۔ کوتوال مشتعل ہو کر جوتا پہنے ہوئے حرم طلاء تک پہنچا۔ اس بے ادبانہ داخلہ پر ماتم کرنے والوں کا جوش اور بڑھا۔ اور کوتوال کی زدوکوب شروع کی۔ ابھی کوتوال پٹ رہا تھا کہ حرم مطہر کا وہ دروازہ جو اندر سے بند تھا اچانک کھلا اور بجلی خود بخود روشن ہو گئی۔ روکنے والوں نے راہ فرار اختیار کی۔ اس موقع پر حرم میں قمع زن تین دستے ماتم کر رہے تھے جن میں ایک سات سو

آدمیوں پر مشتمل تھا۔ دروازہ کھل جانے کی خبر بجلی کی طرح شہر میں پہنچی اور تمام ماتمی دستے اپنی اپنی جگہ سے چلے اور دل ہلا دینے والا ماتم ہوا۔ پولیس نے ماتمیوں پر یہ غلط الزام لگایا کہ عربوں نے حرم کے دروازے توڑ ڈالے۔ اعلیٰ حکام نے ماہرین فن عمارت تحقیق و تفتیش کے لئے مقرر کئے اور دیکھنے والے کمیشن نے فیصلہ کیا کہ دروازے توڑے ہیں نہ قفل سب اپنی اصلی حالت پر ہیں۔ اس کے بعد شہر کا ایک دستہ کربلا روانہ ہوا اور معجزہ حضرت امیرؑ کو نظم کر کے تحت قبہ جلیلہ بطور نوحہ پڑھا۔ اور وہاں بھی قیامت خیز ماتم ہوا۔ یہ واقعہ ۱۹۳۶ء کے جرائد میں شائع ہو چکا ہے۔

۵۹-۱۳۵۶ھ ایام عزا ختم ہونے پر جو فریقین میں کشمکش شروع ہوئی وہ پورے چار برس طرح طرح سے قتل و غارت کی صورت میں ظاہر ہوتی رہی اور لکھنؤ میں مدح صحابہ کا نیا شاخسانہ مسلمانوں کو کمزور کرتا رہا۔ آئے دن کے فتنہ و فساد دیکھ کر ہم نے انجمن تنظیم المومنین قائم کی اور اس ادارہ نے وہ کام کیا جو کسی ادارہ سے نہ ہوا تھا۔ تمام قومی اداروں اور علماء نے اشتراک عمل کیا۔ یہاں تک کہ مخالف کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر شیعہ ایجی ٹیشن پر مجبور ہوئے اور ۳۱ مارچ ۱۹۳۹ء سے تبرا ایجی ٹیشن امام باڑہ غفران مآبؒ کی مقدس زمین سے شروع ہوا اور کچھ دن کی نشست میں جگہ ناکافی ہونے سے امام باڑہ نواب آصف الدولہ میں منتقل ہوا اور ۱۵۲ یوم تک جاری رہ کر ۲۶ اگست کو حکومت سے سمجھوتہ ہونے کی توقع پر بند کر دیا گیا۔ تیئس ہزار شیعوں میں جنہوں نے

اسیر ہو کر یوپی کے تمام جیل بھر دیئے گئے۔ تو دھوپ گرمی کی تیزی سے گذر گئے۔ کچھ بڑھاپے کی وجہ سے قید میں زندگی کے دن پورے کر کے راہی ملکِ عدم ہوئے۔ کچھ بیماریوں میں مبتلا ہو کر جیل کی بند کوٹھریوں میں بجاں بحق تسلیم ہوئے۔ فسادات اور جیل اور راہوں میں قتل ہونے والوں کی صحیح تعداد کا اندازہ عصرِ حاضر کے لوگ خود کر سکتے ہیں۔ ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گذرے ہیں تاریخ شیعہ کا یہ وہ سنہری باب ہے جو کبھی نظر انداز نہیں ہو سکتا اور محاذِ حسینی کا ذکر نہ کرنا تاریخی خیانت ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ متحدہ ہندوستان ایک پلیٹ فارم پر کبھی آیا تھا؟ امام باڑہ آصفی کی جس دن سے نیو قائم ہوئی اُس روز سے تا ایں دم کبھی ایسا اجتماع اس عمارت میں نہیں ہوا۔ اگر شیعوں کا وہ جوش تاریخی حقیقت ہو گیا ہے اور گولی چلنے پر مجمع کا پراگندہ نہ ہونا غیر معمولی ہمت ہے تو ازراہِ کرم اس کو تاریخ شیعہ سے خارج نہ کرو۔ شہیدانِ ملت میں اگر سب نام خوفِ طوالت میں نہ دہرائے جائیں تو ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۵۹ھ کو سیّد محمد احمد کڑیل جوان کا سینہ پر گولی کھانا اور ایک پردیسی عالم سیّد علی رضا صاحب غازی پوری پروفیسر سلطان المدارس کی شہادت اور بانس کی سرائے سے زخمی ہو کر مسجد تحسین خانۂ خدا کے سامنے قبلہ رُو دم توڑنا بھول نہیں سکتا۔ ایجی ٹیشن میں شیعوں کی قربانی اس روایتی وقار کی ایک کڑی تھی جس کا ناظرین کو اچھی طرح تعارف ہو چکا ہے آج دھواں دھار تقریروں سے اسٹیج کو ہلا دینے والے اس وقت مسہریوں پہ آرام کرتے ہوئے رواداری؟ رواداری کا بھینا جپ

رہے تھے اور سیرتِ سجادیہ کے پیرو جیٹھ بیساکھ کی گرمیوں میں چکی پیس رہے تھے۔ ناصر الملتہ اور نجم الملتہ (رحمہم اللہ) کے چشم و ابرو پہ چلنے والے تحریک کو کامیاب کرتے رہے۔ اس عظیم الشان جدوجہد کے پورے حالات ہماری کتاب قید فرنگ معروف بہ غیبتِ مہدیؑ میں درج ہیں ؛۔

نیا شگوفہ عبد العزیز دہلوی کی تحفۂ اثنا عشریہ پر عہدِ غفرانمآب سے رد و قدح ہو رہی ہے مگر فاضل معاصر ابو الحسن ندوی نے جو حالات تحریر کئے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ وہ چودہ سخت بیماریوں میں مبتلا تھے اور ان کو مراق بھی تھا تو اب جس کی صحت میں عصرِ حاضر کے مفکروں کی یہ رائے ہو اس کے اعتراضات شیعیت کی رُو میں قابل قبول نہیں ہو سکتے اور ان کی رائے علیل قرار پانے پر پہلے صحت عقل ثابت کی جائے اس کے بعد جواب کا موقع ہے "قرات نا شدہ" میں جو ندوہ سے چھپی ہے یہ بیماریاں نام بنام موجود ہیں۔ حدیثِ غدیر کو چھپانے میں جو مرض انس بن مالک کو تھا یہ بزرگ اس کے بھی شکار تھے۔

سنہ ۱۳۶۱ھ اسی سال بوہروں کے پیشوائے اعظم سید طاہر سیف الدین بالقابہ نے نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ میں بصرفِ کثیر نقرئی ضریحیں نصب کیں اس ضریح کا طلائی کتبہ سنہ ۱۳۵۵ھ کا لکھا ہوا اور نقرئی ۱۳۵۹ھ [1] کا نوشتہ ہے۔

سنہ ۱۳۶۲ھ گھوسی ضلع اعظم گڈھ میں ایک غریب عزادار کے تعزیہ خانہ سے علم پر مناظر کربلا نظر آئے۔ لاتعداد ہندو مسلم لوگوں نے

---

[1] جغرافیہ کربلا عہ LEDCC DERMA

سفر کرکے اس غم افروز منظر کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ شاہ عبدالرزاق فنا بنارسی حنفی عالم نے اپنے منظومہ میں جس کو میں رسالہ الواعظ اپریل ۱۹۴۵ء میں چھاپ چکا ہوں اس کرامت کو یوں ظاہر کیا ہے کہ یورپ کی دوسری جنگ میں زائروں کو طرح طرح کی مشکلات تھیں۔ اس لئے مولانا نے نادار طبقہ کے لئے زیارت کی خود یہ صورت قرار دی۔ اور ریل کا ہر ڈبہ اس طرح مسافروں سے چھلکتا تھا جیسے حج کے قافلہ سے (حجاز ریلوے) بھری ہوتی ہے۔ غیر شیعہ واقعہ نگار کے تاثرات کا اقتباس ملاحظہ ہو:۔

پہنچا حسینیہ میں طلوعِ سحر کے ساتھ
ہر اک علم پہ مجھ کو زیارت ہوئی نصیب
کتنا بُرا تھا کام یہ اہلِ شکوک کا
باملل کی کوششوں سے مگر حق نہ مٹ سکا
نقشہ کبھی گلوں کا بگڑتا ہے خار سے

تقدیر یکبار کھی دیوار و در کے ساتھ
آنکھوں کو نور قلب کو راحت ہوئی نصیب
تیزاب اک علم پہ لگایا جو بہر ملا
پہلے سے نقش ہوگیا کچھ اور بھی ضیا
چھپتا نہیں ہے چاند زمیں کے غبار سے

۱۳۶۶ھ میرے روزنامچہ میں ۱۲ جمادی الاولیٰ کا واقعہ ہے کہ نواب سید محمد آغا صاحب خلف نواب سید شفیع علی خانصاحب مرحوم شیدا المتوفی ۱۹۲۸ء رئیس گھیاری منڈی نے بیان کیا کہ موصوف کے آبائی تبرکات میں جو خزینہ میں بڑی احتیاط سے رکھے جاتے ہیں ایک کبوتر کا پر ہے جو شبِ عاشور کو سرخ ہو جاتا ہے اور جو شخص چاہے اس کی زیارت تحمر پر کر سکتا ہے۔ میرا قیام عشرۂ محرم میں ہر سال لکھنؤ میں نہیں رہتا۔ اس لئے میں اُس کی زیارت سے محروم رہا حتیٰ کہ میرے محترم دوست موت کی میٹھی نیند سو گئے۔ یہ تحفہ عزا ورثہ کے پاس

اب بھی موجود ہے۔

۱۳۶۶ھ سو برس کی غلامی کے بعد ملک کی آزادی میں بھی ہمارے دماغ ہمارے افراد کار فرما ہوئے۔ زمینداری ختم ہو گئی۔ ملک میں عام فسادات ہوئے کتنی جانیں تلف ہوئیں حتیٰ کہ بیدار مغز حکومت نے حالات پر قابو پاکر خانہ جنگی کا انسداد کیا اور امن و آشتی کے چراغ روشن کئے اور مولانا سید محمد سبطین صاحب سرسوی کا کتب خانہ نذر آتش ہو گیا۔ ان نقصانات کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

۱۳۶۶ھ ۲۴ جمادی الاوّل کو محلّہ شہباز پور قصبہ سہسوان ضلع بدایوں میں پانی بھرنے والے بہشتیوں کے مکان میں آگ لگی۔ ٹھیک دوپہر میں دو سو مکانات نذر آتش ہوئے۔ نیم کے درخت پر سقوں نے چہلم کے بعد سے ایک تعزیہ رکھ چھوڑا تھا جو بے توجہی سے پیڑ پر رکھا تھا آگ نے اس درخت کے بھی ایک ٹہنہ کو جلایا مگر تعزیہ محفوظ رہا۔ اخبارات میں اہل محلّہ کا حلفی بیان شائع ہوا۔

۱۳۶۹ھ ۱۵ راکتوبر بیگن گنج کانپور میں عاشق حسین کی چکی کے قریب بیری کے درخت کی سب پتیوں پر "حسینؑ" لکھے ہوئے عام لوگوں نے دیکھا اور ہجوم خلائق اس قدر بڑھا کہ پولیس انتظام پر تعینات ہوئی۔ (دیکھو روزنامہ "قومی آواز" لکھنؤ ج ۴ نمبر ۲۷۸ مورخہ ۱۰ راکتوبر ۱۹۴۹ء صہ ۳ کالم ۵)

۱۳۶۹ھ میلاد نبوی کے موقع پر بارہ برس کے بعد شیعیان لکھنؤ پر جو کرفیو آرڈر رہا کرتا تھا وہ کانگریس راج میں ہٹا۔

۱۳۷۰ھ بھارت میں سومناتھ کے مندر کی تعمیر شروع ہوئی۔

۱۳۷۴ھ آندھرا پردیش حیدرآباد دکن میں نواب سالار جنگ بہادر المتوفی ۱۹۴۴ء کا میوزیم دیکھنے کی نوبت آئی۔ جو ان کی علماء کے پاس حصہ اور ۸۰ کمروں میں محفوظ ہے۔ ایشیا میں اس عجائب خانہ کی نظیر نہیں ہے اور پوری دنیا کے نوادر یہاں یکجا ہیں۔

۱۳۷۵ھ حضرت عباس علیہ السلام کے گنبد و منبر پر سونا چڑھایا گیا۔

۱۳۷۶ھ پاکستان سے چہار دہ صد سالہ یادگار مرتضوی کی تحریک اٹھائی گئی اور دنیا بھر میں ولادت حضرت امیرؑ کے سلسلہ میں جہاں جہاں شیعہ آباد ہیں یادگار مرتضوی کے جشن ہوئے۔

۱۳۷۷ھ ۲۸ صفر کو لاہور چوہٹہ مفتی باقر میں تابوت حضرت امام حسنؑ پر مخالفین عزاء کی طرف سے ڈیڑھ گھنٹہ پتھر اور اینٹیں پھینکی گئیں۔ سوڈے کی بوتلیں پسی ہوئی مرچیں ماتمیوں پر برسا کر مجمع کو پراگندہ کرنا چاہا۔ ماتم میں کمی نہ ہوئی اور چالیس پچاس ماتمی زخمی ہو کر ہسپتال گئے۔

(اطلاع) "تاریخ شیعہ کا خونچکاں ورق" میں زیادہ تر واقعات جو مجھے دستیاب ہوئے وہ سنہ عیسوی کے حساب سے تھے جن کو اسلامی محمدی بڑی تقویم بابت ۱۳۷۳ھ مطبوعہ محمدی پریس بمبئی سے مطابق کیا گیا ہے۔ تمام شد۔

دورِ ظلم کا قید خانہ کیسا تھا؟

گذشتہ صفحات میں آپ نے پڑھا کہ فلاں شہید ہو گیا۔ فلاں کو جیل بھیجدیا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ اسیر کیا سیاسی قیدیوں کی طرح

آرام و راحت سے رکھے جاتے تھے کہ وہاں بھی B کلاس اور C کلاس تھا۔ متمدن حکومتوں نے ملزم کے لئے ہر جرم کی سزا علیحدہ علیحدہ مقرر کی ہے۔ مگر اموی اور عباسی دور میں شیعیت ہی ایک جرم تھا اور سزائیں مختلف تھیں۔ ہر حاکم اپنے جذبۂ عناد کے مطابق نئی سزا تجویز کرتا تھا اور جس طرح قید کی مدت مقرر نہ تھی اسی طرح جیل کا نقشہ بھی یکساں نہ تھا جبکہ ہر صدی میں ہم نے زنداں میں رہنے والوں کا تذکرہ کیا تو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ قید خانہ سب ایک طرح سے تھے۔ موجودہ مقاتل دیکھے جانے سے قید خانہ کی حیثیتوں کا تصور ہو سکتا ہے۔ یہ

(۱) جس زنداں میں اہل حرم مظلوم کربلا اسیر تھے۔ اس کی تصویر شیخ صدوقؒ کے ذمہ دارانہ الفاظ سے اس طرح ہوتی ہے۔

مجلس مع علی بن الحسین فی مجلس لا یکنھم من حر ولا یقیھم من برد حتی تنشرت وجوھھم۔

اس زنداں میں قید کیا تھا جہاں نہ دھوپ سے امن تھا نہ شبنم سے حفاظت۔ یہاں تک کہ چہروں کی جلد موسم کے متضاد اثر سے شق ہو گئی تھی۔

(۲) کوفہ کا وہ قید خانہ جہاں ساڑھے چار ہزار شیعہ قید تھے۔ اس لئے کہ نصرت حسینؑ نہ کر سکیں ان کو ایک دن کھانا دیا جاتا تھا دوسرے دن فاقہ کرنا پڑتا تھا۔ یہ زنداں زمین دوز اور ایک تہ خانہ تھا جس پر نگہبان (وارڈر) مقرر تھے اور دروازوں پر تالے پڑے تھے۔ قفل پر مہریں لگی ہوئی تھیں۔ اور آخری منزل کا حال یہ ہے :۔

فاذا ھی خمسون مرقاۃ وھی مظلمۃ لا ینظر فیھا احد کفہ من شدۃ الظلمۃ ۔ (نور الابصار فی اخذ الثار فارسی)

پچاس زینے طے کر کے قیدی اندر پہونچتا تھا اور اندھیرا گپ تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ نہ دکھائی دیتا تھا۔

اس بیان کو میرے والد مرحوم نے اپنے منتخبات میں اور جد علّام نے مختار نامہ میں حوالہ قلم فرمایا ہے اور جناب مرحوم کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ قیدی ایک حالت میں نہ تھے۔ ان کی ایک شخصیت سے حکومت کو جس حد تک[1] خطرات تھے ان کو اس طرح اسیر کیا گیا تھا۔ چنانچہ اسی زنداں میں مختار کا یہ حال تھا کہ کھال کا پیراہن اُن کو پہنایا گیا تھا۔ دونوں پیروں میں بھاری زنجیریں تھیں۔ ہاتھ گردن سے بندھے تھے۔ رسی کی جگہ زنجیریں استعمال ہوئی تھیں اور ممکن نہ تھا کہ داہنے اور بائیں طرف گردن پھرا سکیں۔ مختار کے جسم سے خون بھی جاری تھا۔ میری سمجھ میں نہ آیا جو ایسی قید سخت میں ہو اُس نے خط کیونکر لکھا اور جس زندان میں دن اور رات کی پہچان نہ تھی وہاں روشنی کیونکر ہوئی۔ کچھ غیبی سہولت بہم پہونچی ہوگی یہ باطل کا انتظام تھا قیدیوں کے ساتھ اور عہد حضرت امیر المومنینؑ میں قید خانہ اوقات نماز میں کھول دیا جاتا تھا اور اسیر عبادات الٰہی کے وقت اسیر نہ تھے۔ (مناقب اصحاب از ابو بکر زندی ملاحظہ ہو ہمارا مقالہ مندرجہ شیعہ لاہور جیل نمبر۔

---

[1] نور الابصار ص ۳۰

سزائیں کہاں دی جاتی تھیں؟

ابن زیاد کا خطبہ اور اہلِ حرم مظلوم کربلاً کا اسیر ہو کر جامع کوفہ میں لانا عبداللہ بن عفیف کا ناقابلِ تحمل اقدام ظاہر کرتا ہے۔ دشمن نے مسجدوں کو اِن حضرات کی تحقیر و تذلیل کا صدر مقام قرار دیا تھا۔ اس رجحان کے بعد سیّد بن طاؤس کے بیان سے پوری تائید ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک نے حاکم مدینہ صالح بن عبداللہ مری کو خط لکھا[1] کہ وہ حسنؑ بن حسنؑ بن علی بن ابی طالبؑ کو قید سے نکال کر پانچسو تازیانہ مسجدِ رسولؐ میں لگائے۔ صالح نے یہ تحریری حکم منبر پر پڑھ کر سنایا اور سزا دینے کا ارادہ کیا۔

آخر کتاب میں تمام دنیا کے شیعوں کی فہرست درج کر کے ہم اس مختصر تاریخ کو ختم کرتے ہیں۔ خدا مجھے اور میری آئندہ نسلوں کو توفیق عطا فرمائے کہ اس اجمال کی تفصیل اور مختصر کی تشریح پر تیار ہوں۔ یہ ہے مظلوم فرقہ کی تاریخ کا خلاصہ جس کے مٹانے کیلئے کس کس نے تن من دھن سے کام نہیں لیا۔ فنا کرنے والے خود مٹ گئے مگر وہ آج تک زندہ ہے اور اپنی لاتعداد قربانیوں کی وجہ سے رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔ (انشاءاللہ)

لفظ شیعہ جس کا ظہور حضرت نوحؑ کی پیروی کرنے والوں سے شروع ہوا وہی ہے جہاں حریت، حمایتِ حق، صداقت، دشمنوں سے بیزاری پُر امن طریقہ پر پائی جائے یہ ملتِ ابراہیمی کا دستورِ عمل ہے۔

---

[1] مہج الدعوات طبع بمبئی صفحہ ۲۹۸

جس کو حضرت امیر المومنینؑ نے دعائے بعضی قریش میں بہترین الفاظ میں پیش کیا۔ پھر حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے صحابی صفوان کے ذریعہ سے عمل عاشور کا لباس پہنایا۔ اس کا اہم نتیجہ اعلانِ حسینیت کے معاملہ میں شایعت و بایعت و تابعت کے پُر مغز الفاظ میں، یہ ہے شیعہ جو عہد رسولؐ سے ایک مزاج پر رہا۔

شیعیت پر متقدمین کی تصانیف

صدر سخن میں اشارہ کیا تھا کہ اس موضوع پر گذشتہ علماء نے مستقل کتابیں تالیف کی ہیں۔ چند نام نمونے کے طور پر حاضر ہیں۔

(۱) محمد بن ابو القاسم طبری علیہ الرحمہ نے بشارت المصطفے الشیعۃ علی المرتضیٰ مدون فرمائی جو سترہ جز کی کتاب ہے (۲) حسن بن مرزوق بن یحیٰی نے فضائل شیعہ پر کتاب لکھی (۳) عبد العزیز بن یحیٰی بن احمد نے فضائل شیعہ کو یکجا کیا (۴) محمد بن احمد بن محمد بن عبد الرحمٰن اسمٰعیل نے کتاب البشریٰ والزلفیٰ فی فضائل الشیعہ مرتب کی (۵) محمد بن عباس بن علی بن مروان بن نے اُن آیتوں کی تفسیر پر قلم اُٹھایا جو شیعوں کے حق میں نازل ہوئی۔ (۶) الشیعہ وفنون الاسلام آقائے صدر طاب ثراہ کی وہ کتاب ہے جس کا مولانا سید محمد کاظم صاحب قبلہ مرحوم خلف اصغر سرکار نجم الملتہؒ نے اردو ترجمہ کیا ہے۔

اِن حقائق و مسلّمات کے بعد خلاصہ تمام کا یہ کہنا کہ پیغمبرؐ کے دَور میں شیعہ اور غیر شیعہ کی کوئی تفریق ظاہر نہیں ہوئی تھی، قابلِ افسوس ہے۔ اس سلسلہ میں بحیثیت مؤلف یہ بات بھی نظر انداز نہیں ہو سکتی کہ اوپر جو کچھ ذکر ہوا وہ شیعوں کی قربانیاں تھیں۔ اب رہی

علمی خدمات، اس کا تعارف نجف اشرف کے مجتہد اعظم علامہ آغا سید محسن بزرگ طہرانی کی تالیف الذریعہ الی تصانیف الشیعہ اُٹھا کر دیکھو۔ اس عظیم الشان کتاب میں شیعوں کے جہاد قلم پر فہرست تصانیف شیعہ میں آٹھ جلدیں طبع ہو چکی ہیں اور حروف تہجی میں حرف دال ختم ہوا ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری میں یہ کتاب موجود ہے۔ اور دروازہ بند محتشم تک شیعہ تصانیف کے اعداد و شمار (۱۲۸۹) تک پہونچے ہیں۔

استدعا محترم ناظرین جن شیعہ اکابر کے نام اس تاریخ سے آپ کو معلوم ہوئے اور جن بیگناہوں کی فہرست آپ کے سامنے آچکی کیا آپ ان کو نذر نیاز کے موقع پر یاد رکھیں گے نماز شب میں ان کے محترم نام آپ کی زبان پر جاری ہوں گے تلاوت قرآن سے اُن کی مقدس روحوں کو ثواب پہنچائیں گے؟

نقشہ مردم شماری شیعہ

تاریخ شیعہ کی تالیف کے وقت سید یاور حسین ترمذی کا ایک نوٹ مجھے معصر شیعہ لاہور کے کالموں میں نظر آیا اس کو نقل کر کے اس کتابچہ کو ختم کرتا ہوں:-

پنجاب کی مردم شماری ۱۹۲۴ء میں حسب ذیل تھی:-

شیعہ = ۲۵۶۶۲۹

صوبۂ سرحد کی شیعہ آبادی بلحاظ مردم شماری ۱۹۲۱ء حسب ذیل تھی لیکن اب ایک لاکھ سے زیادہ ہے:-

ہزارہ = ۳۷۶ پشاور = ۶۹۷۵ کوہاٹ = ۴۵۲۴۸
بنوں = ۷۲۳ ڈیرہ اسمٰعیل خان = ۲۷۳۵
سرحدی چوکیاں = ۳۵۲۷

کل دنیا کی شیعہ آبادی

بلحاظ مردم شماری ۱۹۵۶ء حسب ذیل تھی۔ اب یعنی ۱۹۵۵ء میں آٹھ کروڑ سے زیادہ ہے:۔

برٹش انڈیا = ۲ کروڑ دیسی ریاستیں = ۴۰ لاکھ
افغانستان = دس لاکھ بخارا = دس لاکھ
خیوا = ۴ لاکھ روسی ایشیا = ۱۵ لاکھ
ترکستان = ۲۵ لاکھ ایران = ۵۰ لاکھ عراق = ۱۰ لاکھ
ان اعداد و شمار میں تبت کے شیعوں کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔

خاتمۂ کلام

شیعہ عنصر کو قتل کرنے والے کلمہ گو ناصبی تھے اور ناصبی کی تحقیق میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو اہلبیت علیہم السلام سے عداوت کو ظاہر کرے وہ ناصبی ہے اور تعریف ناصبی میں حدیث ہے من نصب العداوۃ بشیعتھم جو شیعوں سے دشمنی کرے وہ ناصبی ہے۔ کما قال الصادقؑ انہ لیس الناصب من نصب لنا اھل البیتؑ لانہ لا تجد رجلا یقول انا ابغض محمد او ال محمد ولکن الناصب من نصب لکم وھو یعلم انکم تتولونا و انتم من شیعتنا واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔ نیمہ رمضان ۱۳۷۶ھ

تاریخ

ملک الشعرا حضرت خبیر لکھنوی

ہیں آغا مہدی والا مناقب
محقق عالم جید حق آموز
ہر اک مومن کی خاطر شمع ایماں
برائے منکر دیں خانماں سوز
لکھی تحقیق سے تاریخ شیعہ
وہ دُربار فکر گوہر اندوز
صریر خامہ یوں محو دعا ہے
ہدایت میں ترقی ہو شب و روز
خبیر اب تم لکھو مصراع تاریخ
زہے تاریخ شیعہ جلوہ افروز

۱۹۵۶ عیسوی

التماس سورۃ الفاتحہ

سیدہ فاطمہ رضوی بنت سید حسن رضوی

سید ابوذر شہرت بلگرامی ابن سید حسن رضوی

سید مظاہر حسین نقوی ابن سید محمد نقوی

سید محمد نقوی ابن سید ظہیر الحسن نقوی

سید الطاف حسین ابن سید محمد علی نقوی

سیدہ اُمِّ حبیبہ بیگم بنت سید حامد حسین

حاجی شیخ علیم الدین

شمشاد علی شیخ

مسیح الدین خان

فاطمہ خاتون

شمس الدین خان

وجملہ شہداء ومرحومین ملت جعفریہ

طالبانِ دعا

سید حسن علی نقوی، حسان ضیاء خان، سعد شمیم

زوہیب حیدر، حافظ محمد علی، مسلم جعفری

اللّٰھم صلِّ علیٰ محمد و آلِ محمد

Hassan

http://www.scribd.com/Hassan%20Naqvi

naqviz@live.com